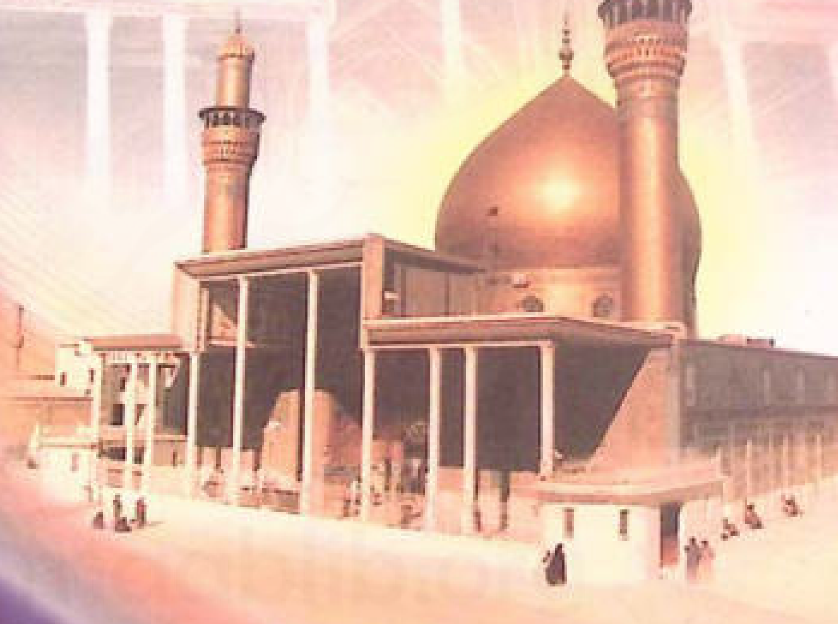
الامام الھادیؑ

سوانح حیات

حضرت امام علی نقی علیہ السلام



حجۃ الاسلام والمسلمین

علامہ سید رضی جعفر نقوی مدظلہ العالی

الامام الهادیؑ

سوانح حیات
حضرت امام علی نقی علیہ السلام

تحریر
حجۃ الاسلام والمسلمین
علامہ سید رضی جعفر نقوی

عرضِ ناشر

تمام تعریفیں خدائے بزرگ و برتر کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اور بہترین درود و سلام سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اُن کے اہلبیت طاہرین علیہم السلام پر جن کے وجودِ مقدس سے اس کائنات رنگ و بو کی بہار قائم ہے۔

ہم اپنے مرحوم والدین :

جناب سید نوازش علی نقوی ابنِ سید حسین احمد نقوی مرحوم۔ اور

مرحومہ حسن بانو (چاندی) بنتِ سید اختر حسین زاہدی مرحوم کی دسویں برسی کے موقع پر اپنے دسویں امام حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی سوانح حیات، صاحبانِ ایمان کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں

جیسا کہ اہلِ ایمان جانتے ہیں، ہم ہر سال، اپنے مرحوم والدین کی برسی کے موقع پر اُن کے ایصالِ ثواب کے لئے مجلس عزائے سید الشہدا کے موقع پر اپنے ہادیانِ برحق کے سوانح حیات اور ان کی تعلیمات پر مشتمل کتاب بھی پیش کرتے ہیں۔

بحمدہ حضور سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ طیبہ پر دو جلدیں۔

شہزادیٔ کونین خاتونِ جنت جنابِ فاطمہ زہرا سلام اللہ کی حیات مبارکہ

اور آپ کی تعلیمات پر مشتمل کتاب پیش کرنے کے ساتھ ساتھ، مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام سے لے کر نویں امام حضرت محمد تقی تک۔ گیارہ معصوموں کے حالات زندگی پر مشتمل کتابیں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔

اور اب دسویں امام (اور بارہویں معصوم حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی حیات طیبہ پر مشتمل یہ کتاب نذر قارئین کر رہے ہیں۔

ان تمام کتابوں کے سلسلے میں ہم حجۃ الاسلام علامہ سید ضمیر جعفر نقوی صاحب کے شکر گذار ہیں کہ انہوں نے۔

- قرآن مجید۔
- نہج البلاغہ۔
- مستند تواریخ۔
- سیرت کی کتابوں۔

اور حضرات معصومین علیہم السلام کے ارشادات میں سے قیمتی جواہر کو یکجا کر کے اس کتاب کی زینت بنایا۔

اسی کے ساتھ عالی جناب سید امتیاز زیدی صاحب کا صمیم قلب سے شکریہ، جو ان کتابوں کے سلسلے میں ہر مرحلہ پر میرے ممد و معاون رہتے ہیں۔

نیز جناب سید ذوالقرنین حیدر نقوی کا سپاس گذار ہوں کہ وہ اس کی خوبصورت کتابت کا فریضہ شروع ہی سے انجام دے رہے ہیں۔

جناب امتیاز عباس صاحب۔ اور
جو اس کی تزئین و آرائش کرتے ہیں

اور جناب ثقلین صاحب (العصر پریس) کا شکریہ جو اسے خوبصورت انداز سے

منظرِ عام پر لانے کے لئے اپنی مساعیِ جمیلہ بروئے کار لاتے ہیں۔

آخر میں قارئینِ کرام سے التماس ہے کہ ایک بار سورۃ الحمد، اور تین بار سورۃ اخلاص کی تلاوت فرما کر میرے مرحوم والدین۔

سید نوازش علی نقوی ابنِ سید حسین احمد نقوی مرحوم۔

اور

مرحومہ **حسن بانو چاندنی بنتِ سید اختر حسین زاہدی** مرحوم کی روح کو بخش دیں۔ اور ہمیں شکر گذار فرمائیں۔

والسلام

سید جاوید رضا نقوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوۃ والسلام

والتحیۃ والاکرام علی خاتم النبیین رحمۃ للعالمین سیدنا و نبینا

ابی القاسم محمد و آلہ الطیبین الطاہرین المعصومین

واللعنۃ الدائمۃ علی اعدائہم اجمعین۔

اما بعد ——————————

مالکِ دوجہاں کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں درِ آلِ محمدؐ سے وابستہ قرار دیا کیونکہ یہی وہ ہستیاں ہیں جن کا قصیدہ خود خالقِ کون و مکاں نے عرش پر ملائکہ مقربین کو مخاطب کر کے پڑھا۔

جس کی گواہی حدیثِ کساء کے الفاظ دے رہے ہیں۔

❋

اور پھر اس نے اپنے خصوصی لطف و کرم سے، اس بندۂ ناچیز کو یہ توفیق دی کہ ان خاصانِ خدا کی سیرتِ طیبہ کے نقوش کو اہلِ ایمان تک، کتابی شکل میں پیش کرنے کے لئے قلم اٹھاؤں۔

بحمدہٖ، چہاردہ معصومین علیہم السلام میں سے گیارہ معصومین کے سوانحِ حیات صاحبانِ ایمان کی خدمت میں پیش کئے جا چکے ہیں، اور اب سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے اپنے بارہویں معصومؑ اور دسویں تاجدارِ امامت حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ کے کچھ جواہر الفاظ کی شکل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں

❋

"حیاتِ معصومینؑ" کے سلسلہ کی یہ تمام کتابیں قوم و ملت کی جانی پہچانی شخصیت جناب سید جاوید رضا نقوی صاحب کے خلوص کا ثمر ہیں جو طباعت سے آراستہ ہو کر اہلِ ایمان کے نظر نواز ہوئیں۔

شروع میں خیال یہ تھا کہ ہر معصوم کے حالاتِ زندگی پیش کرنے کے بعد ان کے ارشاداتِ عالیہ اور اُن کی گراں بہا اخلاقی تعلیمات کو مناسب تشریحات کے ساتھ پیش کرنے پر اکتفا کیا جائے۔

لیکن اس میں یہ سقم نظر آیا کہ:

قارئینِ کرام، جو اپنے ہادیانِ برحق کے حالاتِ زندگی کا تفصیل سے مطالعہ کرنا چاہتے ہیں انھیں تشنگی کا احساس ہوتا تھا۔

لہٰذا اب یہ کوشش ہے کہ امامؑ کے حالاتِ زندگی پر نسبتاً تفصیل سے روشنی ڈالی جائے۔ چنانچہ عربی و فارسی وغیرہ کے جو مستند مصادر دستیاب تھے ان کی مدد سے اپنے آقا، حجتِ خدا، فرزندِ رسولِ خدا، اور حضورِ اکرمؐ کے دسویں جانشین حضرتِ امام علی نقی علیہ السلام کے حالاتِ زندگی، قدرے تفصیل سے پیش کئے جا رہے ہیں۔

البتہ وقت کی تنگی کے باعث، ان ہی مطالب پر اکتفا کیا گیا ہے، جن کے مصادر دستیاب ہو سکے۔

مجھے اپنی علمی کم مائیگی کا بھرپور احساس ہے، البتہ یہ خالقِ دو جہاں کا لطف و کرم ہے کہ حیاتِ معصومینؑ کے سلسلہ کی یہ تیرھویں جلد حاضرِ خدمت کی جا رہی ہے۔

(حضورِ اکرمؐ کی سوانح حیات کی ۲ جلدیں، شہزادیٔ کونینؑ کی سوانح حیات کی

ایک جلد، اور مولائے کائنات سے امام علی نقیؑ تک ہر امامؑ کے حالات زندگی پر مشتمل ایک ایک جلد)

ان کتابوں میں اگر کوئی خدمت انجام پا سکی ہے تو وہ صرف ذاتِ واجب کا لطف و کرم ہے، اور جو نقص و کوتاہی ہے، وہ میری عاجزی و واماندگی ــ اور تہی دامنی کی بنا پر ہے۔

✼

ان ۱۳ جلدوں کے اجر و ثواب کے اوّلین حقدار، مکرم و محترم جناب سیّد جاوید رضا نقوی صاحب اور برادر مکرم جناب امتیاز زیدی صاحب ہیں کہ ان ہی دونوں حضرات کی فرمائش پر اس کا آغاز کیا گیا تھا۔ ان دونوں حضرات نے اس قدر خلوص و محبت سے اس کی فرمائش کی تھی کہ میرے لئے انکار ممکن نہیں تھا، اور خدا کا نام لے کر معصومینؑ کے توسل کے سہارے اس کا آغاز کر دیا تھا۔

✼

آج سے دس گیارہ سال قبل جب اس سلسلہ کا آغاز کیا گیا تھا، تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حضرات چہاردہ معصومین علیہم السلام میں سے ہر ایک کی سوانح حیات سالانہ مجالس میں پیش کی جائے گی، تو اس کے لئے چودہ سال کی "طویل مدت" درکار ہوگی۔

لیکن ــ وقت اس قدر تیز رفتار ہے کہ ــ ہم نے اس سلسلۂ تصانیف کے بارھویں سال میں قدم رکھ دیا، اور اگر زندگی نے مہلت دی تو یہ کام پایۂ تکمیل کو پہونچ جائے گا۔

بحق محمدؐ و آلہ الطیبین الطاہرین المعصومینؑ

قارئین کرام سے التماس ہے کہ محترم سید جاوید رضا نقوی صاحب کے والدِ محترم عالی جناب سید نوازش علی نقوی صاحب ـــ اور والدہ محترمہ مرحومہ حسن بانو (چاندی) صاحبہ کی روح کے ایصالِ ثواب کے لئے سورۂ فاتحہ و سورۂ اخلاص کی تلاوت فرما کر شکر گذار فرمائیں۔

جن کی برسی پر یہ کتاب نذرِ قارئین کی جارہی ہے۔

والسلام

احقر۔ رضی جعفر نقوی

والدینِ کریمین

آپ کے والد ماجد تو ہمارے نویں امام، اور سلسلۂ عصمت کے گیارھویں تاجدار حضرت امام محمد تقی ہیں جو "جواد الائمہ" کے لقب سے مشہور ہیں۔
اور آپ کی والدۂ ماجدہ کا نام، ثقۃ الاسلام ابو جعفر محمد یعقوب کلینی علیہ الرحمہ نے "سمانہ" (مغربیہ) تحریر فرمایا ہے:
(حوالہ کیلئے دیکھئے: اصول کافی جلد ۱ ص ۴۹۲)

اربابِ تاریخ نے اُن کے فضائل و مناقب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:
"پروردگارِ عالم نے اپنے ہادیانِ برحق کو ہمیشہ پاکیزہ اصلاب وارحام میں ودیعت فرمایا ہے۔
جیسا کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذاتِ والا صفات کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ:
لَمْ اَزَلْ اَنْقَلِبُ مِنَ الْاَصْلَابِ الطَّاهِرَةِ اِلَى الْاَرْحَامِ الْمُطَهَّرَةِ۔
(میں ہمیشہ پاک صُلبوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا۔)
(نقل بالمعنی)

اور یہی دستور تقریباً تمام ہادیانِ برحق کے لئے قائم رہا۔
جنابِ اسمٰعیلؑ کی دنیا میں تشریف آوری کے لئے قدرت نے جناب حاجرہ کا انتخاب کیا۔
حضرت عیسیٰؑ کی آمد کے سلسلہ میں جنابِ مریمؑ کا انتخاب عمل میں آیا۔

حضورِ اکرمؐ کی تشریف آوری کے لئے قدرت نے جناب آمنہؑ کو منتخب کیا۔

حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ جیسے گوہر کیلئے، سرزمینِ بطحا کی شاہزادی، جناب فاطمہ بنتِ اسد کو مالکِ دوجہاں نے صدف قرار دیا۔

اور جوانانِ جنت کے دونوں سرداروں، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کی دنیا میں تشریف آوری کے سلسلے میں خاتونِ جنتؑ کو قدرت نے منتخب فرمایا، جو حضرت آدمؑ سے لے کر قیامت تک تمام بنی نوعِ انسان میں، جملہ خواتینِ عالم کی سیّد و سردار بھی ہیں، سیّدہ نساء العالمین بھی اور سیّدہ نساء اہل الجنۃ بھی۔

اور پوری انسانی تاریخ میں کوئی خاتون اُن سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی ہے۔

اسی طرح اُن کی اولاد میں سے نو ائمہ طاہرینؑ کی آمد کے سلسلے میں بھی خداوندِ عالم نے اُن مخدرات کا انتخاب کیا، جو اپنے اپنے زمانہ میں نہایت عزت و شرف، تقویٰ و پرہیزگاری اور تقدس و پارسائی کا نمونہ تھیں۔

ان ہی بابرکت ہستیوں میں ایک نمایاں نام جناب سمانہؑ مغربیہ کا ہے جو ہمارے دسویں امام حضرت علی نقی علیہ السلام کی مادرِ گرامی ہیں۔ جنہیں پروردگارِ عالم نے گوہرِ امامت کے لئے صدف قرار دیا، اور جیسا کہ ہم نے ابتداء میں عرض کیا ہے۔

پروردگارِ عالم نے ابتداء سے یہ دستور رکھا ہے کہ اپنے ہادیانِ برحق کی دنیا میں تشریف آوری کے لئے پاک و پاکیزہ اصلاب، اور طیّب و طاہر ارحام کا انتخاب فرمایا۔

اور آج کے دور میں تو شرق و غرب کے تقریباً سب ہی اہلِ فکر و دانش اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ دنیا میں آنے والے بچے کو بہت سی خصوصیات، اپنے ماں باپ سے وراثت کے طور پر ملتی ہیں۔ اور چونکہ خداوندِ عالم چاہتا ہے کہ اُس کے نمائندے صفات کے علاوہ اپنے حسب نسب کے اعتبار سے بھی معاشرے میں نہایت ممتاز حیثیت کے مالک ہوں۔ اس لئے ماں

ہمارے تمام ہادیانِ برحق کے لئے طیب و طاہر والدین کا انتخاب فرمایا۔

عہدِ حاضر کے معروف عالمِ دین، محدثِ خبیر آقائے شیخ عباس قمی علیہ الرحمہ نے حضرت امام علی نقیؑ کی والدہ ماجدہ کے بارے میں لکھا ہے کہ :

(ہماری ایک معتبر کتاب) جنات الخلود میں ہے کہ :

• وہ معظمہ ہمیشہ مستحب روزوں کی پابندی کرتی تھیں۔

اور زہد و تقویٰ (پرہیزگاری) میں بے مثال شخصیت کی مالک تھیں۔"

ملاحظہ فرمایئے : منتہی الآمال (ط۔جدید) جلد ۲ ص ۶۵۱

محمد بن فرج اور علی بن مہزیار (جیسے گراں قدر اصحابِ ائمہؑ) کی روایت ہے کہ :

حضرت امام علی نقیؑ نے ارشاد فرمایا :

• میری مادرِ گرامی میرے حق کی معرفت رکھنے والی خاتون تھیں۔

وہ جنتی خواتین میں سے ہیں۔

شیطانِ مردود کبھی ان کے قریب نہیں جاتا، اور نہ اُس جبار عنید کا کوئی مکر و فریب اُن کے پاس پھٹک سکتا ہے۔

خداوندِ عالم ان کا محافظ و نگران ہے۔

اللہ کے سچے اور صالح بندوں کی ماؤں (کا جو اُسوۂ حسنہ ہے) وہ اُس سے کبھی الگ نہیں ہوتیں۔"

وِلادَت بَاسَعادَت

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی ولادتِ باسعادت کے سلسلہ میں ہمارے جلیل القدر عالمِ دین جناب ابنِ شہر آشوب کی روایت ہے کہ:

"مدینہ منورہ سے چند کیلومیٹر دور "صریا" نامی بستی میں، زمین آپ کے نورِ مقدس سے منور ہوئی۔

حوالہ کیلئے ملاحظہ فرمایئے:

"مناقب آلِ ابوطالب جلد ۳" صفحہ ۴۳۳)

مورخین نے آپ کی ولادتِ باسعادت کی تاریخ کے سلسلہ میں متعدد اقوال نقل کئے ہیں:

- ۱۵ ذی الحجہ۔
- ۲ رجب المرجب
- برصغیر ہندوستان و پاکستان میں جس قول کو شہرت حاصل ہے، اس کے مطابق:

۵ رماہِ رجب ۲۱۲ھ میں اللہ کے اس نور نے، زمین پر قدم رکھا جو سلسلۂ عصمت کے بارھویں تاجدار اور حضرت رسولِ خدا کے دسویں جانشینِ برحق ہے۔ اور حجتِ خدا ہیں۔

اور مندرجہ ذیل کتب و سیر سے اسی قول کی تائید ہوتی ہے:

نور الابصار — (صفحہ ۱۴۹)

الائمۃ الساکبہ — (صفحہ ۱۲۰)

البتہ ان کتابوں میں سنہ ولادت ۲۱۴ ہجری مرقوم ہے۔

ہمارے ایک اور جلیل القدر عالم دین — اپنے زمانہ کے مرجع تقلید اور استاد علماء و مجتہدین، شیخ مفید علیہ الرحمۃ نے بھی آپ کی ولادتِ باسعادت کے سلسلہ میں تحریر فرمایا ہے کہ:

"مدینہ منورہ کے قریب ایک قریہ ہے جس کا نام "صریہ" ہے، وہی آپ کی جائے ولادت ہے۔"

حوالہ کیلئے ملاحظہ فرمایئے:

ارشاد شیخ مفیدؒ (صفحہ ۲۹۴)

-: نوٹ :-

اگرچہ بعض مؤرخین اہلسنت نے آپ کی ولادت باسعادت، مدینہ منورہ میں ہی لکھی ہے۔

لیکن چونکہ شیخ مفید علیہ الرحمہ کا قول زیادہ معتبر ہے، اور شیخ مفیدؒ کے علاوہ متعدد اربابِ علم نے بھی آپ کی ولادت باسعادت، مدینہ منورہ کے قریب 'صریا' نامی بستی میں قرار دی ہے، اس لئے ہم نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

ائمۂ طاہرینؑ کو خداوندِ عالم نے ایک خاص نور سے پیدا کیا ہے

قرآنِ مجید کے سورۂ مبارکۂ نور میں پروردگارِ عالم کا ارشاد ہے کہ :

اللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۚ اَلْمِصْبَاحُ
فِيْ زُجَاجَةٍ ۚ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ
زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ
نَارٌ ۚ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ۚ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ
لِلنَّاسِ ۚ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۙ

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے ۔ اُس کے نور کی مثال اُس طاق
کی ہے جس میں چراغ ہو، اور چراغ شیشہ کی قندیل میں ہو، اور
قندیل ایک جگمگاتے ستارے کی مانند ہو ۔ جو زیتون کے بابرکت
درخت سے روشن کیا جائے، جو نہ مشرق والا ہے، نہ مغرب والا،
اور قریب ہے کہ اُس کا روغن روشنی دینے لگے، چاہے اُسے آگ
مس نہ بھی کرے ـــ نور بالائے نور ہے ـــ اور اللہ اپنے
نور کے لئے جسے چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے ۔ اور (اسی طرح)
اللہ مثالیں بیان کرتا ہے، اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے)

(سورہ نمبر ۲۴، پارہ نمبر ۱۸، آیت نمبر ۳۵)

جس کے ذیل میں اہلِ تفسیر نے بجا طور پر لکھا ہے کہ :

"مالکِ کائنات نے اپنے کو نور قرار دیا ہے۔ اور نور کی یہ توصیف کی گئی ہے کہ :

نور لطیف ترین (پاکیزہ ترین) اور حسین ترین شے ہے۔

نور کی رفتار تمام اشیاء سے سریع تر ہے۔

نور ہر شے کے ظہور کا ذریعہ ہے۔

نور۔ موجودات کی بقا کا وسیلہ ہے۔

نور سے رنگوں کی وجودیت وابستہ ہے۔

اور ان ہی مناسبتوں سے اسلام نے قرآن مجید، رسولِ اکرمؐ ائمۂ طاہرین علیہم السلام، نیز ایمان، ہدایت، علم اور دین۔۔۔ سب کو نور قرار دیا ہے۔ اور انسان کے لئے ایمان کو چراغ، دل کو فانوس، سینہ کو طاق، اور وحیِ الٰہی کو روغن قرار دیا ہے۔"

(تفسیر انوار القرآن۔ صفحہ ۳۰)

اور حضرات اہلبیتِ طاہرینؑ ۔۔۔ جو نورِ الٰہی کا مظہر ہیں، فریقین کی کتابوں میں جو روایات موجود ہیں، اُن میں ان ذواتِ مقدسہ کو اُس نور کے چراغ، مشکوٰۃ، قندیل اور کوکب دری وغیرہ سے تشبیہ دی گئی ہے اور لاشرقیہ لاغربیہ کہہ کر ان کی مرکزیت کو واضح کیا گیا ہے۔

اور اگلی آیت میں اُن گھروں کی رفعت کا تذکرہ ہے، جن میں یہ خاصانِ خدا زندگی گذارتے ہیں، اور صبح و مسا ذکرِ الٰہی اور تسبیح میں مصروف رہتے ہیں۔

اس جگہ وہ روایت بھی قابلِ توجہ ہے جو ابو سلمہ سے منقول ہے۔۔۔ وہ کہتے ہیں کہ :

میں نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

"جس رات (شبِ معراج) مجھے آسمان پر لے جایا گیا، خداوند عالم نے ارشاد فرمایا:

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَبِّہٖ

(رسول پر، جو کچھ اُن کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا (سب) پر ایمان لائے)

تو میں نے کہا کہ:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ۔ (اور اہلِ ایمان بھی)

قدرت کی طرف سے ارشاد ہوا: "اے محمدؐ۔ تم نے سچ کہا۔

"(اچھا یہ بتاؤ) اپنی امت میں سے کس کو اپنا جانشین بنا کر آئے ہو؟

میں نے عرض کیا کہ:

"امت میں سب سے بہتر شخص کو۔"

ارشاد ہوا: "علیؑ بن ابی طالبؑ کو؟"

میں نے عرض کیا:۔ جی ہاں۔ اے میرے پروردگار۔

(قدرت کی طرف سے) ارشاد ہوا۔

"اے محمدؐ:۔ میں نے زمین پر نظر (رحمت) کی تو تمام لوگوں میں سے تمہیں منتخب کیا، اور تمہارے لئے اپنے ناموں میں ایک نام مشتق کیا، تو جہاں کہیں میرا ذکر ہوگا، وہاں تمہارا بھی ذکر ہوگا۔ میں محمود ہوں اور تم محمدؐ ہو۔

پھر میں نے (زمین پر) دوبارہ نظر (رحمت) ڈالی تو علیؑ کو

منتخب کیا، اور اپنے ناموں میں سے اُن کے لئے ایک نام مشتق کیا۔ میں اعلیٰ ہوں اور وہ علیؑ ہیں

اے محمدؐ ۔ میں نے تمہیں علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ، اور (حسین کی اولاد میں سے ائمہ کو اپنے مخصوص نُور کی ایک خاص قسم سے پیدا کیا ہے۔

میں نے تم لوگوں کی ولایت اہلِ زمین و آسمان کے سامنے پیش کی، جس نے اُسے قبول کیا، وہ میرے نزدیک اہلِ ایمان میں سے ہے، اور جس نے انکار کیا وہ ...... منکرین میں سے ہے۔

اے محمدؐ ۔ اگر میری مخلوقات میں سے کوئی بندہ، میری اتنی عبادت کرے کہ گویا، ختم ہو جائے، یا خشک مشک کی طرح ہو جائے۔ پھر وہ میرے پاس اس حالت میں آئے کہ تمہاری ولایت کا منکر ہو۔ تو میں اسے اس وقت تک نہیں بخشوں گا، جب تک کہ وہ تمہاری ولایت کا اقرار نہ کرلے۔

اے محمدؐ ۔ کیا تم پسند کرتے ہو کہ ایسے لوگوں کو دیکھو (جن کو میں نے اپنے ایک خاص نور سے پیدا کیا ہے۔ اور جن کی ولایت کو آسمان و زمین پر پیش کیا ہے) میں نے عرض کیا کہ : ہاں میرے پروردگار (میں ان لوگوں کو دیکھنا چاہتا ہوں)

تو خداوندِ عالم نے (مجھے عرش کے داہنی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا۔ اور جب میں اُس طرف متوجہ ہوا تو مجھے (یہ منظر دکھایا گیا کہ) :

علیؑ ۔ حسنؑ، حسینؑ ۔ علیؑ ابن الحسین ۔ محمدؑ بن علیؑ ۔ جعفرؑ بن محمدؑ ۔ موسیٰؑ بن جعفرؑ ۔ علیؑ بن موسیٰؑ ۔ محمدؑ بن علیؑ ۔ علیؑ بن محمدؑ ۔ حسنؑ بن علیؑ اور (حسن عسکریؑ کے فرزند) مہدیؑ نُور کے دریا کے اندر کھڑے ہوئے مصروفِ نماز ہیں۔

اور وہ (مہدیؑ) اُن کے وسط میں ہیں گویا وہ درخشاں ستارہ ہیں۔

اس موقع پر قدرت کی طرف سے ارشاد ہوا۔

"اے محمدؐ - یہ ہیں میری طرف سے (بندوں پر) میری حجت" اور یہ (مہدیؑ) ہیں تیری عترت کے خون کا بدلہ ۔ اور ظالموں سے انتقام لینے والے۔

اور مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم ہے کہ یہی حجت ہیں جو میرے اولیاء کے لئے ثابت ہے ۔ اور میرے اعداء اور دشمنوں سے انتقام لینے والے ہیں)

(حوالہ کیلئے ملاحظہ فرمایئے ،

مقتل الحسین خوارزمی جلد ۱ : ۱۴۶)

اور جندل بن جنادہ (نامی صحابی پیغمبرؐ) کی روایت میں ائمہ طاہرین علیہم السلام کے اسمائے گرامی کے ساتھ اُن کے القاب کی تصریح بھی موجود ہے۔

چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ :

"میں نے حضرت رسولِ خدا سے آپ کے اوصیاء کے بارے میں سوال کیا — تو آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ :

ان اوصیاء میں سے اوّل علیؑ ہیں جو ان (اوصیاء) کے سردار اور باپ ہیں۔ پھر اُن کے بیٹے حسنؑ و حسینؑ علیہما السلام ہیں، پھر ان سے تمسک رکھنا اور تمہیں جاہل لوگوں کی جہالت دھوکہ نہ دے !!۔

اور جس وقت (میرے چھوٹے نواسے حسینؑ کے فرزند) علیؑ بن الحسینؑ کی ولادت ہوگی تو خداوند عالم تمہارا فیصلہ کردے گا (تم دنیا سے رخصت ہو جاؤ گے) اور اس دنیا میں تمہارے لئے آخری توشہ دودھ اور شربت ہوگا۔

جندل بن جنادہ نے عرض کیا کہ :

"ہم نے توریت اور کتبِ انبیاء میں" ایلیا، شبر، شبیرؑ کے بارے میں پڑھا ہے

یہ اسماء تو حضرت علیؑ اور حسن و حسین علیہم السلام کے ہیں، پھر حسینؑ کے بعد (امام برحق) کون لوگ ہیں۔ اور اُن کے نام کیا ہیں ؟

تو حضورِ اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ :

جب حسینؑ کی مدت ختم ہو جائیگی تو اُن کے بیٹے علیؑ (امام ہوں گے جن کا لقب زین العابدینؑ ہوگا۔

اُن کے بعد اُن کے بیٹے محمدؑ۔ جن کا لقب باقرؑ ہوگا۔

پھر اُن کے بیٹے جعفرؑ۔ جن کو صادقؑ کے نام سے پکارا جائے گا۔

پھر اُن کے بیٹے موسیٰؑ۔ جنھیں (کاظمؑ) کے نام سے پکارا جائے گا۔

پھر اُن کے بیٹے علیؑ۔ جو رضاؑ کے نام سے پکارے جائیں گے۔

پھر اُن کے بعد اُن کے بیٹے محمدؑ۔ جو تقیؑ کے نام سے پکارے جائیں گے۔

پھر اُن کے بیٹے علیؑ۔ جو نقیؑ اور ہادیؑ کے نام سے پکارے جائیں گے

پھر اُن کے بیٹے حسنؑ۔ جو عسکریؑ کے لقب سے پکارے جائیں گے۔

پھر اُن کے فرزند محمدؑ۔ جو مہدیؑ، قائمؑ اور حجتؑ کے لقب سے پکارے جائیں گے۔

وہ ایک عرصہ تک پردۂ غیب میں رہیں گے، پھر ظہور فرمائیں گے، اور زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ جس طرح وہ ظلم و جور سے پُر ہوگی۔ خوشخبری ہے اُن لوگوں کے لئے۔ جو اُن کی غیبت کے زمانہ میں صبر و استقامت سے کام لیں گے۔

اور بشارت ہے، اُن کے لئے جو اُن کی محبت پر قائم رہیں گے۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کی تعریف و توصیف، خداوند عالم نے اپنی کتاب قرآن مجید میں فرمائی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے :

(ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ۔

(یہ کتاب وہ ہے جس میں کوئی شک نہیں) سرچشمۂ ہدایت ہے ان صاحبانِ تقویٰ کیلئے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا کہ :

اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ

(یہ لوگ اللہ کی جماعت ہیں، اور آگاہ رہو کہ اللہ کی جماعت ہی غالب رہنے والی ہے)

(حوالہ سابق ص۹۶)

ان روایات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام کو پروردگارِ عالم نے اپنے خاص نور سے پیدا کیا ہے۔ اور ان انوارِ الٰہیہ کی تابندگی و درخشندگی ہمیشہ ہمیشہ قائم رہنے والی ہے دنیا کی کوئی طاقت اس نور کی تجلیوں کو روک نہیں سکتی ۔ بقول شاعر

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

اسمِ مبارک کنیت اور القاب

آپ کا نام تو اپنے جدِ بزرگوار حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے اسمِ مبارک کے مطابق "علی" ہے۔

آپ سلسلۂ امامت میں چوتھے، اور آخری علی ہیں۔

اور آپ کو "علی بن محمد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، گویا آپ کا نام وہ ہے، جو مولائے کائنات کا نام ہے، اور آپ کے والد کا نام وہ ہے جو سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا نام ہے۔ اور آپ کی کنیت بھی وہی ہے، جو مولائے کائنات کی کنیت تھی یعنی:

ابو الحسن :

البتہ اپنے آباؤ اجداد کی کنیت سے امتیاز کے لئے آپ کو ابو الحسن ثالث بھی کہا جاتا ہے۔

تاریخ وسیرت کی کتابوں میں آپ کے متعدد القاب ملتے ہیں، جن میں:

مرتضٰی، فتاح، ناصح، نجیب، عالم، فقیہ، الامین، المؤتمن، الطیب وغیرہ شامل ہیں۔

(دیکھئے کتاب:

مناقب ابن شہر آشوب: جلد ۴، ص ۴۳۲)

البتہ آپ کے مشہور ترین القاب مندرجہ ذیل ہیں لہ

الہَادی ۔ النقی

(نور الابصار صفحہ ۱۴۹، مطالب السؤل صفحہ ۲۹۱)

امام علی النقی علیہ السلام کی ولادتِ باسعادت تو مدینہ منورہ کے قریب "صریا" نامی بستی میں ہوئی لیکن تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ عباسی حکمرانوں کے ظلم و ستم کی وجہ سے آپ کو مدینہ منورہ چھوڑنا پڑا، اور عراق کے شہر سامرا میں آپ کو رہائش اختیار کرنے پر مجبور کیا گیا۔

شہر سامرا اس زمانہ میں عراق کی فوجی چھاؤنی تھا۔ اسی مناسبت سے اس شہر کو "عَسکَر" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

(جس کے لغوی معنیٰ ، لشکر ہیں)

امام علی النقی علیہ اسلام کے القاب میں ایک لقب ایسا بھی ہے جس میں اس شہر کے نام کا بھی حوالہ نظر آتا ہے۔

اور جب عربی عبارتوں میں "الامامین العسکریین" (دو عسکری امام) لکھا ہوا ملتا ہے تو اس سے حضرت امام علی النقیؑ اور ان کے فرزند حضرت امام حسن عسکریؑ مراد ہوتے ہیں۔

لہ : عالم عرب میں آپ کو زیادہ تر الامام الہادی (الامام علی الہادی) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جبکہ برصغیر اور جہاں جہاں اردو بولی جاتی ہے، آپ کو زیادہ تر "علی نقی" کہہ کر یاد کیا جاتا ہے۔

عسکریین کا لقب

عراق کا شہر "سر من رای" جسے اب "سامرا" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے
جہاں دسویں اور گیارھویں امام کا روضۂ اقدس ہے
اور وہ سرداب مقدس ہے — جہاں سے بارہویں امام پردہ غیب میں تشریف لے گئے
اور آپ کی مادرِ گرامی — جناب نرجس خاتون — نیز
گیارھویں امام کی پھوپی، اور دسویں امام کی باعظمت بہن جناب حکیمہ خاتون،
اور دیگر مخدرات عصمت و طہارت کی قبریں ہیں۔
اس شہر کو بنی عباس کے حکمرانوں نے اپنی فوجی چھاؤنی قرار دیا تھا۔

جب حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی شہرت ہر طرف پھیلی اور دُور دراز سے لوگ آپ کے پاس کسبِ فیض کے لئے مدینہ منورہ آنے لگے تو عباسی حکومت کی طرف سے جو گورنر مقرر تھا، اس نے بادشاہِ وقت (متوکل عباسی) کے کان بھرنا شروع کر دیئے، اور اس کے ذہن میں یہ بات بٹھانے کی پوری کوشش کی کہ:
اگر امام علی نقی علیہ السلام مدینہ منورہ ہی میں رہے اور اسی طرح ہر طرف سے جوق در جوق لوگ اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے تو سمجھو کہ مدینہ تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔
اور چونکہ مدینہ منورہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شہر ہے اس لئے اگر یہ شہر

تمہارے ہاتھ سے نکل گیا تو یہ سمجھ لو کہ کس قدر دُور رس نتائج ہونگے۔

جس کے بعد متوکل عباسی نے تدبیریں شروع کیں کہ کسی طرح امامؑ کو مدینہ چھوڑنے پر مجبور کیا جائے۔

اور چونکہ ہمارے ائمہ طاہرین علیہم السلام کے پیشِ نظر اپنے جد بزرگوار حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیتیں رہا کرتی تھیں۔

ان ہی وصیتوں کی بنا پر مولائے کائنات نے آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد ۲۵ سال گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کی۔

جوانانِ جنت کے سردار، سبطِ اکبر، حضرت امام حسنِ مجتبیٰؑ علیہ السلام نے تختِ حکومت سے دستبرداری اختیار کرنا قبول کیا۔

سرکارِ سید الشہداء، خامسِ آلِ عبا، حضرت امام حسینؑ علیہ السلام نے مدینہ منورہ چھوڑ کر پہلے مکہ مکرمہ اور پھر وہاں سے کربلا کا سفر اختیار کیا۔

اور اُن ہی وصیتوں کی بنا پر ہمارے تمام ہادیانِ برحق نے، ہر قسم کے ظلم و جور کو برداشت کیا۔

اسی طرح دسویں تاجدارِ امامت حضرت علی نقیؑ نے بھی سنہ ۲۳۳ھ و سنہ ۲۳۴ھ میں مدینہ منورہ، ترک کیا۔ اور شہر "سرمن رای" (موجودہ سامراء) کا سفر اختیار کیا۔

آپ کے فرزندِ ارجمند اور ہمارے گیارھویں امام حسن عسکریؑ، جن کی سنہ ۲۳۲ھ میں مدینہ منورہ ہی میں ولادتِ باسعادت ہوئی۔۔ وہ بھی اپنے والدِ محترم کے ہمراہ سامراء تشریف لے گئے، اور اپنے والد کی شہادت کے بعد بھی وہیں مقیم رہے، یہاں تک کہ آپ بھی اسی شہر میں، درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

چونکہ شہر "سامرا" فوجی چھاؤنی کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور عربی زبان میں "عسکر" (لشکر اور فوج) کو کہا جاتا ہے۔

اس مناسبت سے اس شہر کو بھی "عسکر" کہا جانے لگا۔

اور گیارہویں امام کا لقب (حضور اکرمؐ کی پیشین گوئی کے مطابق) اور اس شہر میں قیام کی نسبت سے عسکری قرار پایا۔

"عسکریین" تثنیہ کا صیغہ ہے، جس کا مطلب ہے: دو عسکری۔

چونکہ شہر سامرا (عسکر) میں دسویں امامؑ نے بھی زندگی کا بیشتر حصہ گزارا، اور گیارھویں امامؑ نے بھی۔ اسی مناسبت سے ان دونوں اماموں کو "عسکریین" کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

حُلیۂ مُبارک اور نقشِ خاتم

فریقین کی کتابوں میں اس بات کا تذکرہ موجود ہے کہ :
دنیا بھر کے خاندانوں میں سب سے زیادہ خوبصورت خاندانِ رسالت کے افراد تھے ___ اور ہمارے ائمہ طاہرین علیہم السلام حُسن وجمال کا نمونہ تھے ___ اور جس جگہ یہ حضرات قدم رنجہ فرماتے تھے، وہ سرزمین اُن کے نُور سے جگمگانے لگتی تھی۔

امام نقی علیہ السلام بھی اپنے دَور کے نہایت حسین وجمیل شخص تھے۔

صاحب "جنات الخلود" نے لکھا ہے کہ :

* آپ کا قد درمیانہ تھا۔
* رُوئے مبارک سُرخ وسفید تھا۔
* آنکھیں بڑی بڑی اور خوبصورت تھیں۔
* ابروئے مبارک' بہت کشادہ تھے۔
* "چہرۂ اقدس' اتنا دلکش تھا کہ اگر کوئی شخص رنج وغم میں ڈوبا ہوا ہو، اور آپ کے چہرۂ اقدس پر اُس کی نگاہ پڑ جائے تو اپنا غم بھول جاتا تھا۔ اور آپ کے چہرے کو دیکھ کر اس کا دل باغ باغ ہو جاتا تھا۔
* "آپ نہایت محبوب القلوب تھے (جو آپ کو دیکھتا' گرویدہ ہو جاتا تھا)

٭ آپ کے رُوئے انور پر ایسی ہیبت اور ایسا جلال تھا کہ اگر دشمن بھی دیکھتا تو پسیج جاتا تھا۔

٭ ہمیشہ چہرۂ اقدس پر تبسم ہوتا تھا۔

٭ لب ذکرِ خدا میں مصروف و منہمک رہتے تھے۔

٭ راستہ چلتے وقت قدم آہستہ آہستہ اٹھاتے تھے۔

٭ پیدل بہت کم چلتے تھے۔ کبھی چلنا پڑ جائے تو پیشانی عرق آلود ہو جاتی تھی۔

آپ کی انگوٹھی پر یہ عبارت نقش تھی:

اَللّٰهُمَّ رَبِّیْ وَهُوَ عِصْمَتِیْ مِنْ خَلْقِهٖ

اور جناب شیخ عباس قمیؒ نے لکھا ہے کہ:

٭ آپ کی ایک اور انگشتریِ مبارک کا نقش یہ تھا:

حِفْظُ الْعُهُوْدِ مِنْ اَخْلَاقِ الْمَعْبُوْدِ

امام علی نقی ع کے بارے میں
حضرت رسولِ خدا ص کی بشارت

✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻

ہمارے جلیل القدر عالم دین، اور اپنے زمانہ کے مرجع تقلید: آقائے شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے اپنی مشہور کتاب:

"عُیُونُ اخبارِ الرِّضَا"

میں حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُس بشارت کا تذکرہ کیا ہے، جو آپؐ نے اپنے دسویں جانشین برحق، حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمائی تھی کہ:

وَاِنَّ اللّٰہَ رَکَّبَ فِی صُلْبِہٖ نُطْفَۃً لَا بَاغِیَۃً وَلَا طَاغِیَۃً، بَارَّۃً مُبَارَکَۃً، طَیِّبَۃً طَاہِرَۃً، سَمَّاہَا عِنْدَہٗ عَلِیَّ بْنَ مُحَمَّدٍ — فَاَلْبَسَہَا السَّکِیْنَۃَ وَالْوَقَارَ، وَاَوْدَعَہَا الْعُلُوْمَ وَکُلَّ سِرٍّ مَکْتُوْمٍ مِنْ کَفِیْفِہٖ، وَفِیْ صَدْرِہٖ شَیْءٌ اَنْبَاَہٗ بِہٖ وَحَذَّرَہٗ مِنْ عَدُوِّہٖ۔

جس کا مفہوم ملخص یہ ہے کہ:

"خداوند عالم نے اُن کے صُلب میں وہ جوہر خالص رکھا ہے!

جو نہ کجروی اختیار کرنے والا ہے، نہ حد سے تجاوز کرنے والا ہے،

جو نہایت نیک و ستودہ صفات ہے۔

برکتوں والا ہے۔

طیب و طاہر ہے۔

خداوندِ عالم نے اُس بابرکت مولود کا نام علی بن محمد رکھا۔
اُنھیں سکینت و وقار کے لباس سے سرفراز فرمایا۔
اُنھیں علوم کا خزینہ دار قرار دیا ہے، اور ہر سربستہ راز اُن کے سپرد فرمایا۔
اُن کے (والد کے) سینے میں ایک خبر ہے جس سے وہ ان کو آگاہ کریں گے۔
اور اُن کے دشمن کی طرف سے اُنھیں ہشیار کریں گے۔"

(حوالے کیلئے دیکھئے:

اعلام الہدایت جلد ۱۲ صفحہ ۳۰،

عیون اخبار الرضا جلد ۱، صفحہ ۶۳)

اسی طرح "غایۃ المرام فی حجۃ الخصام" نامی کتاب میں حضرت رسولِ خداؐ کی اُن بکثرت بشارتوں کا تذکرہ موجود ہے۔ جو آپؐ نے اپنے برحق جانشینوں — (حضراتِ ائمہ طاہرین علیہم السلام) — کے بارے میں فرمائی ہیں۔

حضرت امام علی نقیؑ کی جانشینی

حضراتِ ائمہ طاہرین علیہم السلام میں سے ہر ایک کے منصب کی تصریح سرکارِ ختمی مرتبت، احمدِ مجتبیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے فرمادی تھی۔

چنانچہ جب قرآنِ مجید کی یہ آیت نازل ہوئی کہ:

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ

(اطاعت کرو اللہ کی، اطاعت کرو رسول کی، اور اپنے اولی الامر کی)

تو جناب جابر بن عبداللہ انصاریؓ نے حضورِ اکرمؐ سے دریافت کیا کہ:

.. مَنْ هُمْ أُولُوا الْأَمْرِ الَّذِيْنَ فَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْنَا طَاعَتَهُمْ

(وہ اولی الامر کون ہیں، جن کی اطاعت خداوند عالم نے ہم سب لوگوں پر فرض قرار دی ہے)؟

جس کے جواب میں آنحضرتؐ نے اپنے بارہ جانشینوں کا نام بنام ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

هُمْ أَوْصِيَائِيْ وَخُلَفَائِيْ ...

أَوَّلُهُمْ عَلِيٌّ، ثُمَّ الْحَسَنُ، ثُمَّ الْحُسَيْنُ، ثُمَّ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ، ثُمَّ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ[1]... ثُمَّ جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثُمَّ مُوْسَى بْنُ جَعْفَرٍ، ثُمَّ عَلِيُّ بْنُ مُوْسٰى

---

[1] اس جگہ پہنچنے کے بعد حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا تھا کہ: اے جابر! میرے پانچویں جانشین (محمد باقرؑ) سے تمہاری ملاقات ہوگی تو جب ان سے ملنا تو ان کو میرا سلام کہہ دینا۔

ثُمَّ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ، ثُمَّ عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثُمَّ الْحَسَنُ بن عَلِيٍّ، ثُمَّ... مَنْ اِسْمُهُ اِسْمِيْ وَكُنْيَتُهُ كُنْيَتِي يَمْلَأُ الْأَرْضَ قِسْطاً وَعَدْلاً بَعْدَ مَا مُلِئَتْ ظُلْماً وَجَوْراً۔

"اولی الامر' میرے اوصیاء' میرے خلفاء (میرے جانشین) ہونگے

اُن میں سب سے پہلے علی (بن ابی طالب)

پھر حسنؑ (مجتبیٰ)

پھر حسینؑ (شہید کربلا)

پھر علی بن الحسین (زین العابدینؑ)

پھر محمد بن علی (باقرؑ)

پھر جعفر صادقؑ

پھر موسیٰ کاظمؑ

پھر علی رضاؑ

پھر محمد (تقیؑ)

پھر علی (نقیؑ)

پھر حسن (عسکریؑ)

اُن کے بعد (قائم آلِ محمدؑ، امام مہدیؑ) جن کا نام میرے نام کے مطابق' اور اور جن کی کنیت میری کنیت جیسی ہوگی۔ جو دنیا کو عدل وانصاف سے پُر کر دینگے (جبکہ ان کے ظہور سے پہلے) وہ ہر طرف ظلم وجور سے پُر ہو چکی ہوگی)"[1]

(نقل بالمعنی)

---

[1] غایۃ المرام' اور دوسری معتبر کتابوں میں یہ احادیث زیادہ تفصیل سے موجود ہیں جن کا تذکرہ ہم انشاء اللہ چودہ معصومینؑ کی سوانح حیات کے سلسلہ میں آخری کتاب میں کرینگے جو حضرت امام زمانہؑ کی ذاتِ اقدس کے بارے میں ہوگی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے اس ارشادِ مقدس میں اُن صاحبانِ اَمر کے ناموں کی تصریح بھی فرمادی جن کی اطاعت کو خداوند عالم نے اپنی مقدس کتاب میں بنی نوع انسان، اہلِ اسلام اور صاحبانِ ایمان پر فرض قرار دیا ہے۔

اور جس طرح آپ نے امیر المومنین حضرت علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام کے لئے بار بار اعلان فرمایا کہ: "یہی میرے بعد میرے وصی، میرے وارث، میرے وزیر میرے خلیفہ و جانشین اور امت کے ہادی و رہنما ہوں گے۔

اسی طرح ہر امامؑ نے دنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے، اس ہادیِ برحق کا تعارف کرادیا — جو اُن کے بعد منصبِ امامت کا ذمہ دار ہوگا۔

حضرت امیر المومنینؑ نے امام حسن مجتبیٰؑ کی امامت پر نص فرمائی۔

امام حسنِ مجتبیٰ علیہ السلام نے دنیا سے تشریف لے جانے سے قبل، امام حسین علیہ السلام کی امامت کی تصریح فرمائی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے درجۂ شہادت پر فائز ہونے سے قبل اسرارِ امامت حضرت امام زین العابدینؑ کے سپرد فرمائے۔

... اسی طرح سے ایک ایک امامؑ نے اپنے بعد کے ہادی اور امامؑ وقت کے بارے میں واضح الفاظ میں اعلان فرمادیا، تاکہ بندگانِ خدا کیلئے کوئی ابہام نہ رہے۔

قرآنِ مجید میں خالقِ دوجہاں نے حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا ہے کہ:

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ

(آپ تو بس (خوفِ خدا سے) ڈرانے والے ہیں۔ اور ہر قوم کے لئے ایک ھادی ہے)

(سورہ مبارکہ الرعد، آیت ۷)

جس کی تفسیر میں ابن مردویہ، ابن جریر اور ابو نعیم نے معرفت میں، اور دیلمی ابن عساکر اور ابن بخار نے روایت کی ہے کہ :

جب یہ آیت "إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ" نازل ہوئی تو حضرت رسولِ خدا نے اپنے دستِ مبارک کو اپنے سینے پر رکھا اور فرمایا کہ أَنَا الْمُنْذِرُ۔ پھر اپنے ہاتھ سے علیؑ کے شانے کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ :

أَنْتَ الْهَادِيْ يَا عَلِيُّ۔ بِكَ يَهْتَدِي الْمُهْتَدُوْنَ بَعْدِيْ۔

(اے علی۔ تم ہادی ہو، اور میرے بعد تمہارے ہی ذریعے ہدایت کو قبول کرنے والے راہِ راست پر ہوں گے)

اس روایت کو باختلافِ الفاظ ابنِ مردویہ نے ابو برزہ اسلمی سے اور ضیاء فی المختار نے ابنِ عباس سے اور عبداللہ بن احمد نے زوائد مسند میں، اور ابن ابی حاتم اور طبرانی نے اوسط میں، اور حاکم نے بھی نقل کیا ہے۔

اور ابنِ مردویہ اور ابن عساکر نے خود حضرت علی علیہ السلام سے اس کی روایت کی ہے۔

(ملاحظہ فرمایئے تفسیر درِ منثور)

اور چونکہ آیت میں لفظ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ہے جس کا مطلب ہے کہ ہر قوم کے لئے ہادی ہوگا، اس سے تمام ائمہ کا اپنے اپنے زمانے کے لوگوں کا ہادی ہونا بھی واضح ہوتا ہے، اور یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ آج کے دور اور اس قوم کے لئے بھی لازمی طور پر کوئی ہادی موجود ہے۔ (اگرچہ اس وقت وہ ہماری نگاہوں سے دور ہے)۔

چنانچہ ہمارے نبیؐ امام اور حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نوٹیفی

جانشین برحق، حجت خدا حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے اپنی شہادت سے قبل متعدد مواقع پر یہ تصریح فرمادی کہ میرے بعد بندوں پر اللہ کی حجت، اُن کے پیشوا، امام اور پیغمبر اکرمؐ کے جانشین برحق۔ علی نقی علیہ السلام ہوں گے۔

ہم تیمناً و تبرکاً، امام علیہ السلام کے چند فرامین درج کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

(۱)

اسمٰعیل بن مہران کا بیان ہے کہ:

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام جب پہلی مرتبہ مدینہ منورہ سے بغداد تشریف لے جارہے تھے (اور شیعیانِ حیدرِ کرار کے دلوں میں وسوسہ تھا کہ حاکم بغداد کہیں آپ کو شہید نہ کردے)۔ تو میں نے امام علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ:

"فرزندِ رسولؐ، آپکے اس سفر کے بارے میں اندیشے لاحق ہیں۔ یہ فرمایئے (اگر خدانخواستہ کوئی واقعہ پیش آگیا تو) آپ کے بعد ولی امر (امامِ وقت) کون ہوگا۔؟

امام علیہ السلام نے ہنستے ہوئے میری طرف رُخ کیا، اور فرمایا کہ:

"جس بات کے بارے میں تمہارے دل میں اندیشہ ہے وہ اس سال وقوع پذیر نہ ہوگی۔

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد جب معتصم کی طرف سے آپؑ کو بغداد بلایا گیا (تو ایکبار پھر ہم لوگوں کو خوف محسوس ہوا)

میں نے امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر گذارش کی کہ:

"میری جان آپؑ پر فدا ہو۔ آپ تو تشریف لے جارہے ہیں۔ آپ کے بعد ولیٔ امر (امام وقت اور ہادی و رہنما) کون ہوگا۔؟

تو امام علیہ السلام نے گریہ فرمایا، اور میری طرف رُخ کرکے فرمایا کہ :

عِنْدَ هٰذِهٖ يُخَافُ عَلَيَّ - اَلْاَمْرُ مِنْ بَعْدِيْ اِلَى ابْنِيْ عَلِيٍّ

(اس دفعہ میرے لئے (قتل کئے جانے کا) اندیشہ ہے۔

میرے بعد امر (امامت) میرے بیٹے علیؑ (نقی) کے ذمہ ہوگا۔)

(حوالہ کیلئے ملاحظہ فرمایئے :

اُصولِ کافی جلد ۱ صفحہ ۳۲۲، بحار الانوار جلد ۵۰ صفحہ ۱۱۸

باب النصوص علی الخصوص علیہ الارشاد شیخ مفید صفحہ ۳۰۷)

(۲)

خیرانی کی روایت ہے کہ امام محمد تقی علیہ السلام نے اپنی شہادت سے پہلے ارشاد فرمایا کہ :

اِنِّيْ مَاضٍ، وَالْاَمْرُ صَارَ اِلَى ابْنِيْ عَلِيٍّ وَلَهٗ عَلَيْكُمْ بَعْدِيْ، مَا كَانَ لِيْ عَلَيْكُمْ بَعْدَ اَبِيْ -

(میں (دنیا سے) جانے والا ہوں۔

امر (امامت) میرے بعد، میرے بیٹے علی (نقیؑ) کے ذمہ ہوگا۔

میرے اپنے والد (حضرت امام علیؑ رضا) کے بعد، تم لوگوں پر میرے جو حقوق تھے، بعینہٖ وہی حقوق، میرے بعد میرے فرزند علی (نقیؑ) کے ہونگے)

اصولِ کافی جلد ۱ صفحہ ۳۲۳، بحار الانوار جلد ۵۰ صفحہ ۱۲۰

ارشاد شیخ مفید صفحہ ۳۰۴

(۳)

... تیسی کی روایت ہے کہ

"میں نے حضرت امام محمد علیہ السلام سے دریافت کیا کہ: آپ کے بعد

آپ کا جانشین کون ہوگا۔؟

تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ:

اِبْنِیْ عَلِیٌّ۔ (میرے فرزند علی (نقیؑ)

(حوالہ کیلئے دیکھئے:
غیبت النعمانی ص۔)

(۴)

احمد بن ہلال کہتے ہیں کہ:

مجھے محمد بن اسمٰعیل بن بزیع نے بتایا کہ:

اُمیہ بن علی (نامی راوی) نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ:

"آپ کے بعد امت کا پیشوا" اور امام وقت کون ہوگا۔؟

تو آپ نے انھیں وہی جواب دیا، جو اوپر گذرا۔

(۵)

اختصارِ کلام کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہم صرف ایک اور حدیث کے تذکرہ پر اکتفا کرتے ہیں جو اس موضوع کی بھی نشاندہی کرتی ہے، اور جس میں حضرت امام زمانہ علیہ السلام کے بارے میں بھی پیشین گوئی کی گئی ہے۔

...حمدان بن سلیمان کہتے ہیں کہ مجھ سے صقر بن ابی دلف نے بیان کیا ہے۔

میں نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

اَلْاِمَامُ بَعْدِیْ اِبْنِیْ عَلِیٌّ، اَمْرُہٗ اَمْرِیْ، وَقَوْلُہٗ قَوْلِیْ، وَطَاعَتُہٗ طَاعَتِیْ۔

"میرے بعد، میرے بیٹے علی (نقیؑ) امام ہوں گے، اُن کا حکم میرا حکم ہے۔۔ اُن کا فرمان میرا فرمان ہے، اور اُن کی اطاعت میری اطاعت ہے)

راوی کا بیان ہے کہ اتنا فرما کر امام علیہ السلام نے سکوت فرمایا۔ تو میں نے گذارش کی :

"اے فرزندِ رسولؐ، آپ کے بیٹے علی نقیؑ کے بعد امام وقت کون ہوگا؟

فرمایا کہ : وَالْاِمَامُ بَعْدَهٗ اِبْنُهُ الْحَسَنُ اَمْرُهٗ اَمْرُ اَبِیْهِ وَطَاعَتُهٗ طَاعَةُ اَبِیْهِ۔

اُن کے بعد اُن کے بیٹے حسن عسکریؑ، امام ہوں گے اُن کا حکم، ان کے باپ کے حکم (جیسا)، اُن کا فرمان اُن کے والد کے فرمان (جیسا) اور انکی اطاعت اُن کے والد کی اطاعت (جیسی) ہے۔

اُس کے بعد امام علیہ السلام نے سکوت فرمایا تو میں نے عرض کیا کہ:

"اے فرزندِ رسولؐ امام حسن عسکریؑ کے بعد امام کون ہوگا۔؟

یہ سُن کر امام محمد تقی علیہ السلام نے شدت سے گریہ فرمایا، اور اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ :

اِنَّ بَعْدَ الْحَسَنِ اِبْنُهُ الْقَائِمُ بِالْحَقِّ الْمُنْتَظَرُ

(امام) حسن (عسکری) کے بعد اُن کے فرزند قائم بالحق ہونگے وہی (امام) منتظر ہوں گے۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا:

"اے فرزندِ رسولؐ انھیں قائم (آلِ محمدؐ) کس بنا پر کہا جاتا ہے۔؟

فرمایا کہ ، لِاَنَّهٗ یَقُوْمُ بَعْدَ مَوْتِ ذِكْرِهٖ وَارْتِدَادِ اَكْثَرِ الْقَائِلِیْنَ بِاِمَامَتِهٖ۔

اس لئے کہ جب اُن کا تذکرہ مٹ جائے گا، اور اُن کی امامت کا اقرار رکھنے والوں میں سے بھی زیادہ تر لوگ پلٹ جائیں گے، اسکے بعد

قیام فرمائیں گے)

راوی کہتا ہے کہ: میں نے پوچھا کہ:

"اُن کو امام منتظر کیوں کہا جاتا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ:

لِاَنَّ لَهُ غَيْبَةً يَكْثُرُ اَيَّامُهَا وَيَطُوْلُ اَمَدُهَا فَيَنْتَظِرُ خُرُوْجَهُ الْمُخْلِصُوْنَ وَيُنْكِرُهُ الْمُرْتَابُوْنَ، وَيَسْتَهْزِئُ بِهِ الْجَاحِدُوْنَ، وَيَكْذِبُ فِيْهَا الْوَقَّاتُوْنَ وَيَهْلِكُ فِيْهَا الْمُسْتَعْجِلُوْنَ، وَيَنْجُوْ فِيْهَا الْمُسَلِّمُوْنَ

(اس لئے کہ اُن کیلئے ایک ایسی غیبت ہے، جس کا زمانہ بہت لمبا، اور جس کی مدت بہت طولانی ہے۔ اس طولانی عرصہ میں مخلص لوگ تو اُن کے ظہور کا انتظار کرینگے، جبکہ شکوک و شبہات میں پڑنے والے انکار کر دیں گے، منکرین (حق) اُن کے بارے میں استہزاء کرینگے، اور (اُن کی آمد کا) وقت معین کرنے والے جھوٹ بولیں گے، اور جلد بازی کرنے والے ہلاک ہوں گے۔

(البتہ) تسلیم خم کرنے والے نجات پائیں گے)

(حوالہ کیلئے ملاحظہ فرمایئے:

اکمال الدین جلد ۲ صفحہ ۳۷۸

اعلام الوریٰ۔ صفحہ ۴۳۶

مذکورہ بالا روایات پر غور کرنے سے چند باتیں مزید واضح ہو جاتی ہیں:

(۱):- ائمہ طاہرین علیہم السلام کے مخلص، چونکہ زمانہ کے حالات کو دیکھ رہے تھے، اور دشمنانِ دین کی سازشوں سے بھی باخبر تھے، اس لئے انھیں اپنے

ہادیانِ برحق کے بارے میں ہمیشہ خطرے لاحق رہتے تھے۔

(۲) :۔ ائمہ طاہرین علیہم السلام اپنے وقتِ شہادت سے باخبر تھے' اس لئے جب حاکمِ وقتؑ کے طلب کرنے پر امام محمد تقی علیہ السلام پہلی مرتبہ بغداد کے سفر پر روانہ ہونے لگے' اور اسمٰعیل بن مہران نے اپنے اندیشے کا اظہار کیا' تو امام علیہ السلام نے مسکرا کر فرمایا کہ :" جو بات تم سوچ رہے ہو' وہ اس سفر میں پیش آنے والی نہیں ہے لیکن جب دوسری دفعہ امام علیہ السلام بغداد کے سفر پر روانہ ہونے لگے' اور راوی نے اپنے تردد کا اظہار کیا' تو امامؑ نے بھی اس کی تصدیق فرمادی کہ اس سفر میں مجھے شہید کردیا جائے گا"[۱]

(۳) ائمہ طاہرینؑ کے جاں نثار اصحاب' چونکہ ہادیِ برحق سے ہمیشہ وابستہ رہنا چاہتے تھے' اس لئے وہ امامِ وقتؑ سے بلاتکلف دریافت کرلیتے تھے کہ خدانخواستہ آپ شہید کردیئے جائیں تو ہمارا ہادی' پیشوا' امام وقت اور ولیِ امر کون ہوگا' اور ائمہ طاہرین اُن لوگوں کو صراحت کے ساتھ بتادیتے تھے۔

(۴) :۔ ہمارے بارھویں امامؑ کی غیبت' اور عرصۂ دراز تک آپ کا لوگوں کی نگاہوں سے پنہاں رہ کر زندگی گذارنا' ایک ایسی جانی پہچانی حقیقت تھی کہ دیگر ائمہ طاہرینؑ کی طرح' حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے بھی اپنے پر پوتے کی اس غیبت کے بارے میں پیشین گوئی فرمادی تھی۔

یہاں اس اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ :

جب حضور اکرمؐ سے لے کر ہمارے ہر امامؑ نے اپنے بعد کے ہادیِ برحق کی تصریح فرمادی' تو لوگوں کی اکثریت نے اسے کیوں قبول نہ فرمایا۔

---

[۱] :نقل بالمعنی۔

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ مدِ نظر رکھنی چاہیئے کہ قرآن مجید کی رُو سے اکثریت کے طرزِ عمل کی کوئی حیثیت نہیں ہے' جیسا کہ متعدد آیات نے اس بات کی نشاندھی فرمادی ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہوا کہ :

وَاَکْثَرُهُمْ لَا یَشْکُرُوْنَ ۔ (اور اُن میں زیادہ تر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا کہ :

وَاَکْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔ اور ان میں زیادہ تر لوگ ' علم نہیں رکھتے)

بلکہ اس بات کی بھی تصریح کردی گئی کہ لوگوں کی اکثریت عقل و شعور سے کام ہی نہیں لیتی ۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے :

وَاَکْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۔ (اور ان میں اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے (نہیں سمجھتے)

ہندوستان کے کروڑوں افراد' گائے کی پرستش کرتے ہیں' اور بسا اوقات وہ لوگ ایک گائے کے ذبح کردیئے جانے پر سینکڑوں انسانوں کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگین کرلیتے ہیں۔

دُنیا بھر کے کروڑوں ۔ بلکہ شاید ایک ارب سے زیادہ مشرکین' اپنے ہاتھوں سے بُتوں کو تراشتے' سنوارتے اور بناتے ہیں' پھر اپنے مندروں میں انھیں سجانے کے بعد' انھیں اپنا کارساز سمجھنے لگتے ہیں' کسی سے روزی طلب کرتے ہیں' کسی سے صحت' کسی سے اولاد' اور کسی سے مشکلات و بلا میں مشکل کشائی کے لئے فریاد بھی کرتے ہیں' اور اُن کے آگے سجدہ ریز

بھی ہوتے ہیں۔
گویا جو اِن کے ہاتھوں کی مخلوق ہیں، انھیں خالق کی جگہ قرار دیتے ہیں۔
اور جن کے خود کارساز ہوتے ہیں' اُن ہی کو اپنا کارساز ماننے لگتے ہیں۔
اور انبیائے کرام' جو اس بے عقل سے روکتے تھے' انھیں پتھر مارتے تھے۔
دیوانہ قرار دیتے تھے۔ اپنی بستیوں سے نکال دیتے تھے' ان پر عرصۂ حیات تنگ کرتے تھے۔ انھیں دشنام دیتے تھے۔ حتیٰ کہ انھیں قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔
تو کیا۔ لوگوں کے پوجا پاٹ کی بنا پر گائے واقعاً معبود بن جائے گی۔؟
کیا کروڑوں افراد کے سجدہ ریز ہونے سے یہ مٹی و پتھر کے اصنام تقدیر سازی کا کام انجام دینے لگیں گے؟
اور کیا مشرکینِ مکہ کی اکثریت کے نہ ماننے سے اسلام کی حقانیت میں کوئی فرق آگیا۔؟

؟

حق بہرحال زندہ، تابندہ و درخشندہ رہے گا۔ خوش قسمت ہیں وہ افراد جو حق کو پہچانیں۔ اُسے قبول کریں۔ اُس کے سایۂ عاطفت میں پناہ لیں۔ اور ہادیانِ برحق کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اپنی دُنیا و آخرت کو سنوارنے کی کوشش کریں۔

(۱۲)

برادرانِ اہلسنت کے ایک اور ممتاز عالمِ دین محمد سراج الدین الرفاعی کی عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

الامام علی الهادی ابن الامام محمد الجواد ۔ ولقبه النقی

والعالم والفقیه والامیر والدلیل والعسکری والنجیب

ولد فی المدینة سنة اثنتی عشرة ومائتین من الھجرة۔

وتوفی شھید ابالسم فی خلافة المعتز العباسی یوم الاثنین ثلاث

خلون من رجب سنة اربع وخمسین ومائتین۔

وکان لہ خمسة اولاد : الامام الحسن العسکری، والحسین، ومحمد و

جعفر.. فالحسن العسکری اعقب صاحب السرداب الحجة المنتظر

ولی اللّٰہ محمد المھدیؑ

(حضرت امام علی (نقیؑ) ہادی — جو فرزند ہیں امام محمد تقی جوادؑ) کے۔

آپ کے القاب : نقی — عالم — فقیہ — امیر، دلیل — عسکری اور

نجیب ہیں۔

مدینہ منورہ میں ۲۱۲ھ ہجری میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

اور معتز عباسی کے دورِ حکومت میں ۳ رجب ۲۵۴ھ کو زہر سے آپ کو

شہید کیا گیا۔

آپ کی اولاد پانچ افراد پر مشتمل تھی : امام حسن عسکریؑ — حسین

محمد — جعفر — (اور ایک بیٹی)

امام حسن عسکریؑ کے فرزند، حجت خدا، امام منتظر ہیں، جو اللہ کے

ولی ہیں (جن کا نام) محمد ہے اور مھدی (کے لقب سے مشہور) ہیں۔

(ملاحظہ فرمایئے : صحاح الاخبار، صفحہ ۵۶)

صاحب فصول مہمہ نے لکھا ہے کہ :

"جب مدینہ کے والی عبداللہ بن محمد نے امامؑ کو اذیت پہنچائی اور امامؑ نے

وقت کے حکمران کو اس کے بارے میں لکھا۔ تو اس کے جواب میں عباسی حکمران نے آپ کو ایک مفصل خط لکھا۔ جس میں آپ کی جلالتِ قدر کا اعتراف کرتے ہوئے، اس نے یہ بھی تحریر کیا تھا کہ:

"(ہم) آپ کے اوران کے امر و معاملے میں، احکام جاری کرنے میں اللہ کی رضا چاہتے ہیں، آپ کے اوران کے سلسلہ میں جو اُن کا ذلعیفہ ہے اسے ادا کرتے ہیں۔

... ہم نے مناسب سمجھا کہ عبداللہ بن محمد کو ـــ جن امور پر وہ والی تھا یعنی جنگ اور نماز ـــ ان سے معزول کر دیں (انہیں کو اس عہدے سے ہٹا دیں)، کیونکہ جیسا کہ آپ نے ذکر کیا ہے، وہ آپ کے حق میں جہالت اور غیر شریفانہ طرزِ عمل اختیار کئے ہوا تھا۔ اس نے آپ الزام لگائے اور ایسی باتیں (آپ کی طرف) منسوب کیں، جن کے بارے میں... معلوم ہے کہ آپ اُن سے پاک (اور منزہ) ہیں۔

... (ہم پر) آپ کی نیت کی صداقت وحقانیت اور باطن کی راستی اور (اچھائی) آشکار ہے، آپ کے سینے کا (پاک) اور سالم ہونا واضح ہے۔

ہم نے مدینہ میں اس کی جگہ محمد بن فضل کو والی (وحاکم) بنا دیا ہے، اور اس کو آپ کی عزت وتوقیر، اکرام واحترام کرنے۔ آپ کے امر اور رائے پر عمل کرنے، اور آپ کی مخالفت نہ کرنے کا حکم دیا ہے کہ وہ اس طرح سے اللہ اور (حاکم وقت) کا تقرب حاصل کرے۔

...ہم آپ کے مشتاق ہیں، آپ کے قرب سے تجدیدِ عہد کو، اور آپکے مبارک و میمون چہرہ (اقدس) کی طرف نظر کر کے برکت حاصل کرنے کو پسند کرتے ہیں۔

اگر آپ بھی، اس ملاقات میں، اور اس شہر میں رہنے میں خوشی محسوس کریں،...تو آپؑ، اپنے اہلبیتؑ، موالیوں اور اپنے حشم و خدم میں سے جن لوگوں کو چاہیں منتخب کر کے، اپنے ساتھ لے کر یہاں تشریف لائیں۔۔ فرصت و اطمینان سے جب چاہیں کوچ کریں، اور جب چاہیں نزولِ اجلال فرمائیں، اور جس طرح آپ خود چاہیں، وہاں سے چلیں۔

اگر آپ پسند فرمائیں، اور آپ کی رائے میں یہ اچھا ہو تو یحییٰ بن ہرثمہ بن اعین، ہمارے غلام، اور جو لشکر اُس کے پاس ہے، آپؑ کی خدمت میں حاضر رہیں، جب آپ (اپنی مرضی سے) کوچ فرمائیں تو یہ لوگ بھی کوچ کریں، اور آپکے نزول و قیام کے موقع پر یہ لوگ بھی نزول و قیام کریں۔

اس سلسلہ میں امر و حکم آپکے ہاتھ میں ہے۔۔ میں نے اُس کو آپکی اطاعت کرنے، اور تمام اُن چیزوں کے بارے میں جو آپ کو پسند ہوں، لکھ دیا ہے۔

اب آپؑ اللہ سے استخارہ فرمالیں۔

...(ہمارے) نزدیک، میرے اہل و عیال، اولاد، اور خواص میں کوئی ایسا نہیں ہے جو آپ کی ذات سے زیادہ لطیف منزل والا، یا قابلِ تعریف نشان والا ہو، اور نہ ہی آپکے زیادہ نیکی اور

شفقت والا ہے۔

ملاحظہ فرمائیے: الفصول المہمہ ص۲۹۵

بحوالہ المعتقد۔ تصنیف: محمد علی دخیل (عراق)

اگرچہ اسی عباسی حکمران نے آپ کے سامراء پہونچنے کے بعد آپ کی ایذارسانیوں میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

لیکن مندرجہ بالا خط کے ایک ایک فقرے سے اندازہ ہوتا ہے کہ بدترین دشمن بھی آپ کی عظمت و جلالت کا اعتراف کرنے پر مجبور تھا۔ اور آپ کی ہیبت و جلالت کے سامنے اس کے الفاظ بھی تھر تھراتے تھے۔

(۱۴)

یحیٰی بن ہرثمہ۔ جس کا مذکورہ بالا خط میں بھی تذکرہ ہے، اس کا بیان ہے کہ:

جب عباسی حکمراں نے امام علی نقیؑ کو سامراء بلوایا۔ اور میں اُن کو لینے کے لئے مدینہ منورہ پہنچا (اور اہلِ مدینہ کو پتہ چلا کہ میں اس مقصد سے واردِ شہر ہوا ہوں) تو تمام اہلِ مدینہ کی طرف سے بے انتہا چیخ و پکار بلند ہوئی۔ ایسی کہ لوگوں نے اس سے قبل کبھی ایسی چیخ و پکار نہیں سنی تھی۔

لوگوں کی یہ واویلا، اُس خوف و اندیشہ کی وجہ سے تھی، جو انھیں حاکمِ وقت کی طرف سے امام علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ کے بارے میں لاحق تھا۔

ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ دنیا اپنے پاؤں پر کھڑی ہوگئی ہے (گویا ایک قیامت سی برپا ہے)

کیونکہ امام علیہ السلام مدینہ والوں کے ساتھ انتہائی حسن سلوک فرماتے تھے۔ آپ کا زیادہ وقت مسجد نبویؐ میں گذرتا تھا، دنیا والوں پہ احسان کیا کرتے تھے۔

اور حکومت واقتدار وغیرہ سے بالکل دور تھے۔

میں نے مدینہ والوں کو تسلی دی' اور قسمیں کھا کر انھیں بتایا کہ میں امام علیہ السلام کے خلاف کسی ناپسندیدہ بات پر مامور نہیں ہوا ہوں' اور آپ کی ذات والاصفات کو میری طرف سے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے۔

پھر میں نے حسب حکم، آپ کے گھر کی تلاشی لی تو قرآن مجید کے چند نسخوں، دعاؤں اور علمی کتابوں کے سوا اور کچھ نہیں ملا۔

یہ دیکھ کر میری نگاہوں میں آپ کی عظمت دوبالا ہو گئی' میں خود آپ کی خدمت کرنے لگا' اور آپ سے بہت شائستہ انداز میں پیش آنے لگا۔

مدینہ منورہ سے آپ کے ہمراہ روانہ ہونے کے بعد میں بغداد پہونچا' تو سب سے پہلے' وہاں کے گورنر اسحاق طاہری کے پاس پہونچا۔

اسحاق طاہری نے مجھ سے کہا:

"اے یحییٰ۔ (یاد رکھو) ۔ یہ (امام علی نقیؑ) حضرت رسولؐ خدا کی اولاد ہیں۔ اور تم متوکل کو خوب جانتے ہو' اگر تم نے متوکل کو ان کے خلاف اکسایا اور ورغلایا، جس کے نتیجہ میں اس نے آپ کو قتل کر دیا' تو یاد رکھو کہ حضرت رسولؐ خدا قیامت کے دن تمہارے دشمن ہوں گے۔

میں نے اسحاق طاہری کو جواب دیا کہ: میں نے ان کے متعلق اچھے اور احسن کام کے سوا اور کوئی بھی چیز نہ دیکھی ہے نہ سنی ہے

بغداد سے روانہ ہونے کے بعد' میں سامراء پہونچا' تو سب سے پہلے میں نے وصیف ترکی سے ملاقات کی' اور آپ کے سامرا پہونچنے کی اسے اطلاع دی۔ تو اس نے کہا کہ:

"خدا کی قسم ۔ اگر ان کا ایک ذرا سا بال بھی گرا تو اس کا مجھ ہی سے

مطالبہ ہوگا

(یحییٰ بن ہرثمہ کہتا ہے کہ) یہ سُن کر مجھے تعجب ہوا کہ: یہ بھی وہی بات کر رہا ہے، جو اسحاق طاہری نے بغداد میں مجھ سے کی تھی۔

چنانچہ جب میں (امامؑ کو سامرا پہونچانے کے بعد) متوکل کے دربار میں حاضر اور اس نے آپ کے بارے میں مجھ سے سوال کیا۔

میں نے اُس سے آپؑ کے حُسنِ سیرت، پرہیزگاری اور زہد و تقویٰ کا ذکر کیا، اور یہ بھی بتایا کہ جب (مدینہ منورہ میں) میں نے آپؑ کے گھر کی تلاشی لی تو قرآن مجید کی جلدوں اور علمی کتابوں کے سوا کوئی اور چیز مجھے وہاں دستیاب نہیں ہوئی۔

میں نے حاکمِ وقت کو یہ بھی بتایا کہ مدینہ منورہ کے لوگ امام علیہ السلام کے بارے میں خوف و اندیشہ کا شکار تھے کہ کہیں آپؑ کے ساتھ کوئی بُرا سلوک نہ کیا جائے۔

(تذکرۃ الخواص صفحہ ۳۵۹ بحوالہ الثقات: محمد علی دخیل)

امام علی (نقیؑ) ہادی بن محمد تقی جوادؑ — حضرت امام علی رضاؑ کے پوتے تھے، جو اپنے والد کے بعد امام تھے یہ (امام علی نقیؑ) دسویں امام ہیں (ائمہ اثنا عشریہ میں سے)

آپ کی والدہ (سمانہ) کا نام شہامہ (بھی بیان کیا گیا ہے)

آپ کے القاب: نقیؑ اور ہادی تھے ان میں پہلا لقب زیادہ مشہور تھا۔

آپ مدینہ میں رجب میں پیدا ہوئے اور سرمن رای (سامراء) میں ۲۵۴ھ میں زہر سے شہید ہوئے۔

(ملاحظہ فرمائیے: سماء النجوم العوالی ۴/۱۳۶)

(۱۶)

محمود بن وہب بغدادی کا بیان ہے کہ:

(علی بن محمد بن علی الرضاؑ...

آپ مدینہ منورہ میں رجب میں پیدا ہوئے۔

آپ کی والدہ کا نام سمانہ مغربیہ تھا۔ بعضوں نے دوسرا نام بھی بتایا ہے۔

آپ کی کنیت ابوالحسن تھی۔

آپ کے القاب بہت زیادہ ہیں: ناصح، متقی، مرتضیٰ، ھادی۔

آخری لقب بہت مشہور ہے....

صواعق میں ہے کہ آپ علم اور سخاوت میں اپنے والد کے جانشین تھے۔

پھر آپ کے بارے میں مفصل گفتگو کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

"خدایا۔ ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں تیرے رسولؐ کے اہلبیتؑ کا واسطہ دیکر۔ کہ ہمارے دلوں کو منور کر دے تمام وکمال کے ساتھ۔ ہمارے سینوں کو اسلام کے لئے کشادہ کر دے، ہمیں ان مکرم و محترم حضرات کے دین پر زندہ رکھ اور اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام وعلی آلہ... کی ملت و دین پر موت دینا۔

(جوھرۃ الکلام: ۱۵۳)

(۱۰)

علی جلال الحسینی نے آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"آپ کو علی نقی زکی کہا جاتا ہے۔

آپ فقیہ، حسین و جمیل اور باھیبت تھے۔ ابن شہر آشوب کہتے ہیں کہ آپ بہت پاکیزہ، خوبصورت اور شاداب تھے، گفتگو میں بہت سچے تھے۔

(دیکھئے: الحسین ۲/۲۰۷)

(۱۸)

محمد امین غالب الطویل کا بیان ہے کہ:

آپ (ایسے) اچھے اخلاق کے مالک تھے کہ کوئی شخص آپ کی عصمت و طہارت میں شک نہیں کرتا تھا۔

لیکن امامت کی ہیبت نے خلیفہ متوکل عباسی کو خطرے میں ڈال رکھا تھا۔

اس سے چغلی کھائی گئی کہ آپ نے اس کے خلاف تیاریاں کی ہوئی ہیں۔

چنانچہ اس نے رات کی تاریکی میں ترکی لشکر بھیجا۔ جس نے آپ کے گھر پر حملہ کیا۔ اس نے ترکی فوجیوں کو اس لئے منتخب کیا تھا کہ وہ عربوں پر بھروسہ نہیں کرتا تھا۔ عربوں کو معلوم تھا کہ خلافت کا زیادہ حقدار کون ہے۔ اس کے برخلاف ترک تازہ مسلمان ہوئے تھے۔ وہ اسلام اور خلافت کی گہرائیوں سے پوری طرح واقف نہیں تھے، وہ عباسیوں کی بھرپور مدد کرتے تھے اور عباسی بھی ترک لڑکیوں سے شادی کرتے تھے۔ اس طرح دونوں ایک دوسرے کے قریب آ گئے تھے۔

ترکی فوجی جب رات کے وقت امام کے گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ آپ ایک اونی چادر اوڑھے ہوئے زمین پر بیٹھے ہیں اور قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہیں۔ فوجیوں نے گھر کے ایک ایک حصے کی تلاشی لی، پھر آپ کو خلیفۂ وقت کے پاس لے گئے۔

اُسے بتایا گیا کہ اُن لوگوں نے امام کو زہد و پرہیزگاری کی حالت میں دیکھا ہے اور خروج کی تیاری وغیرہ کا کوئی سازوسامان وہاں نہیں پایا۔

(ملاحظہ فرمائیے: "تاریخ العلویین" صفحہ ۱۶۷)

عبد الوہاب بدری کا بیان ہے کہ:

امام ہادیؑ سامرا کی مختلف مجالس میں جاتے، مصیبت زدہ لوگوں کی پرسش احوال کرتے، محتاجوں کی مدد فرماتے ۔ مساکین پر رحم کرتے ۔ یتیموں سے شفقت سے پیش آتے، رات کی تاریکی میں خاموشی سے آپ بیواؤں اور بے سہارہ لوگوں کے گھر جاتے، اور ان میں رقم کی تھیلیاں تقسیم فرماتے ۔

آپ کا یہ اقدام "لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا"

(ہم تم سے نہ عوض چاہتے ہیں اور نہ شکریہ) سے[1]

کے مطابق تھا۔

دن کے وقت آپ کام پر نکلتے ۔ اور سورج کی تیز دھوپ میں کھڑے ہوکر اپنی زراعت پر کام کرتے تھے، یہاں تک کہ پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے۔

رات آتی تو اپنے پروردگار کی بارگاہ میں سجدہ (تلاوت وعبادت کرتے) اور خضوع وخشوع کے ساتھ متوجہ رہتے تھے۔

آپ کی روشن اور منور پیشانی ، اور زمین کے درمیان ریت اور کنکریوں کے علاوہ کچھ نہ ہوتا۔

اور آپ کی زبان مبارک پر آپ کی یہ مشہور ومعروف دعا ہوتی تھی۔

اِلٰهِيْ مُسِيْئٌ قَدْ وَرَدَ، وَفَقِيْرٌ قَدْ قَصَدَ، لَا تُخَيِّبْ مَسْعَاهُ وَارْحَمْهُ وَاغْفِرْ لَهُ خَطَاهُ -

(۲۰)

طول کلام سے بچنے کیلئے، ہم آخر میں خیر الدین زرکلی کا یہ بیان پیش کرکے اس باب کو اختتام تک پہنچاتے ہیں کہ :

---

[1] سورہ مبارکہ هل اتی۔

ابوالحسن... علی ؒ جن کا لقب نقیؒ اور ھادی ہے اور جو ، امام محمد تقی جواد کے فرزند، اور امام علی رضاؒ کے پوتے ہیں۔ حسینی، طالبی ۔۔ اور بارہؒ اماموں میں سے دسویں ہیں، جو اتقیاء اور صلحاء میں سے ایک ہیں۔

آپ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔

لوگوں نے متوکلؒ عباسی کے کان بھرے تو اُس نے آپ کو بغداد کی طرف بلوایا اور پھر سامراء (جس کا نام سرمن رائے تھا) وہاں ٹھہرایا، اس جگہ کا نام مدینۃ العسکر تھا، معتصمؒ نے جب اس کو آباد کیا تھا، تو اپنے لشکر کے ساتھ وہیں منتقل ہو گیا تھا

متوکلؒ کو لوگوں نے ورغلایا... کہ (امام علی نقیؒ) حکومت و خلافت کے خواہاں ہیں۔ اور آپ کے گھر میں شیعوں کی طرف سے، اس سلسلہ میں خطوط موجود ہیں۔

چنانچہ متوکلؒ نے آپ کے بیت الشرف کی خانہ تلاشی کے لئے اپنے سپاہیوں کو بھیجا... مگر وہاں کوئی ایسی چیز نہ ملی، جسے آپ کے خلاف بنیاد بنایا سکتا۔

ملاحظہ فرمائیے: اعلام: ۵/۱۴۰)

عالمِ اسلام کی معتبر اور مشہور و معروف کتابوں میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے بارے میں جو اعترافات موجود ہیں، ہم نے اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان میں سے صرف چند اقتباسات پیش کرنے کی سعادت حاصل کی، جس کے لئے ہم ایران سے شائع ہونے والی کتاب "اعلام الھداۃ"۔ اور محمد علی دخیل صاحب کی کتاب 'ائمتنا' کے شکر گذار ہیں کہ ان کے حوالوں سے استفادہ کیا گیا۔

مذکورہ بالا اقوال و اعترافات اس بات کی علامت ہیں کہ :

اگرچہ حضرت رسولِ خدا کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد حضرتِ

اہلبیت طاہرین علیہم السلام کو اُن کے منصب حکومت و اقتدار سے محروم کیا گیا' اور آنحضرتؐ نے جو اعلان فرمایا تھا کہ :

مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ۔

(میں جس کا مولا ہوں' اس کے یہ علیؑ مولا ہیں)

جس کا مطلب واضح تھا کہ پوری کائنات میں جس جس شخص کے مولا و آقا (حاکم و فرماں روا' ہادی و پیشوا) حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہیں' اُن سب لوگوں کے مولا و آقا (حاکم و فرماں روا' ہادی و پیشوا) امیر المومنین حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں۔

لیکن حضورِ اکرمؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی' کلمہ پڑھنے والوں کی غالب اکثریت نے اس فرمانِ مقدس کو نسیا منسیا کر دیا۔ اور بادِ مخالف اس قدر تند و تیز چلی کہ مولائے کائنات نے دین کی خاطر صبر و شکیبائی سے کام لے کر، تقریباً گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی۔

جس کے بارے میں نہج البلاغہ میں آپ نے فرمایا ہے کہ :

فَصَبَرْتُ... وَفِی الْعَیْنِ قَذًی وَفِی الْحَلْقِ شَجًی

(تو میں نے صبر کیا' جبکہ صورتِ حال ایسی تھی کہ (گویا) آنکھ میں کانٹا (چبھ رہا) ہو' اور گلے میں لقمہ (پھنس گیا) ہو۔

اَرٰی تُرَاثِیْ نَھْبًا۔ (میں دیکھ رہا تھا کہ میری میراث لٹ رہی تھی)

جس کے بعد حضرت علیؑ اور اولادِ علیؑ کو ہر قسم کے مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا' کسی کو حالتِ سجدہ میں تلوار سے شہید کیا گیا۔ کسی کو زہر دیا گیا' کسی کو پورے خاندان کے ساتھ کربلا کی جلتی تپتی سرزمین پر تین دن کا

سب کو پیاسا رکھ کر تہ تیغ کیا گیا' اور اولادِ رسولؐ میں جو بیمار شہید ہونے سے رہ گیا' اور جو خواتین و اطفال تھے سب کو قیدی بنا کر کوفہ و شام کے بازاروں میں پھرایا گیا۔

جس کے بارے میں امام چہارم سید الساجدین حضرت زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:

أُقَادُ ذَلِيلاً فِي دِمَشْقَ كَأَنَّنِي
مِنَ الزِّنْجِ عَبْدٌ غَابَ عَنْهُ نَصِيرُ

لیکن دشمنوں کی معاندانہ کارروائیوں کے باوجود قلوبِ انسانی سے اس خاندان کی عظمت و جلالت کو مٹانا کسی دور کے ظالموں اور جابروں کے لئے ممکن نہ ہو سکا۔

چنانچہ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ ہر دور کے فقہا، محدثین، حکما، مورخین، علماء، محققین اور طلب گارانِ علم و دانش جس دروازہ پر حاضری دینا اپنا شرف سمجھتے رہے' وہ حضرت علیؑ اور اُن کی اولادِ طاہرینؑ کا دروازہ ہے۔

کیونکہ ساری دنیا کو یہ بات معلوم تھی اور وقت کے حکمرانوں کو بھی اس بات کا اعتراف تھا کہ جس دروازہ سے علم و آگہی کی بھیک مل سکتی ہے وہ حضراتِ اہلبیتِ طاہرینؑ ہی کا دروازہ ہے جن کے راس و رئیس امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے بارے میں حضورِ اکرمؐ یہ ارشاد فرما چکے ہیں کہ:

أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا
(میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں)

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کو بھی اپنے جدِ بزرگوار امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرح سے تقریباً ۳۳ برس تک علم کی نشر و اشاعت کا موقع ملا۔

کیونکہ ۱۱۴ھ میں امام محمد باقر علیہ السلام کی شہادت کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام نے منصب امامت کی ذمہ داریاں سنبھالیں جن کا سلسلہ ۱۴۸ھ میں آپ کی شہادت تک جاری رہا۔

اسی طرح ۲۲۰ھ ہجری میں نویں امام حضرت محمد تقی علیہ السلام کی شہادت کے بعد امام علی نقی علیہ السلام نے منصب امامت کی ذمہ داریاں سنبھالیں، جن کا سلسلہ ۲۵۴ھ ہجری میں آپ کی شہادت تک جاری رہا۔

اس فرق کے ساتھ کہ:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ میں چونکہ بنی عباسؑ نے آلِ محمدؐ کے نام پر بنی امیہؑ سے اقتدار چھینا تھا، اس لئے اپنا پیر جمنے تک لوگوں کو امامِ وقت کے پاس آنے سے روکنا اپنی مصلحتوں کے خلاف سمجھتے تھے۔

جبکہ امام نقی علیہ السلام کے زمانہ تک بنی عباسؑ پوری طرح اقتدار پر اپنی گرفت مضبوط کر چکے تھے۔ اس لئے آپ کے دَور کے حکمرانوں نے حتی الامکان لوگوں کو امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے، اور کسبِ فیض کرنے سے روکنے کی کوشش کی۔

لیکن آفتاب کے نور کو بندگانِ خدا تک پہنچنے سے کون روک سکتا ہے۔

اسی طرح آلِ محمدؐ۔ جنھیں پروردگارِ عالم نے خاص نور سے پیدا کیا ہے، اُن کی تجلیات کو بندگانِ خدا، اور متلاشیانِ نورِ حق تک پہونچنے سے کوئی روک نہیں سکتا تھا۔

بقول شیخ محمد علی دخیل کے

"بنی امیہؑ اور بنی عباسؑ کے قید خانوں کی کال کوٹھریوں میں زندگی گذارنے اور ان حکومتوں کی سخت گیر نگرانی، شہر بشہر جلاوطنی کے باوجود آپ حضرات ائمہ

طاہرین علیہم السلام)، علوم کے نشر کرنے، امت کو اسلامی ثقافت و تمدن سے دور رکھنے کرانے، اور اسلام کے فروغ میں ہمہ تن مصروف رہے۔

کیونکہ آپ حضرات، اپنے آپ کو دینِ اسلام کے قائم و دائم رکھنے، اور اس کی حفاظت (و پاسبانی) کو اپنی ذمہ داری سمجھتے تھے۔

چنانچہ ہر امامؑ نے اس بات کا بھی اہتمام کیا کہ اپنے بعد کے امام برحق اور جانشین رسولؐ کے نام کی تصریح فرما دیں اور اُن کا تعین کر جائیں، تاکہ وہ آسمانی رسالت و پیغام کو مستحکم اور قائم و دائم رکھنے، حکم خدا کی زمین پر نشر و اشاعت، اس کے فروغ، نیز حق کو باطل سے الگ کرنے، دونوں کے درمیان خط امتیاز کو واضح کرنے اور حجت کو قائم کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔

امام علی نقیؑ کی عظمت کے بارے میں
اغیار کی گواہی

پروردگارِ عالم نے ہمارے ائمہ طاہرین علیہم السلام کو جو عظمت وجلالت عطا فرمائی ہے، اس کی گواہی اپنوں نے بھی دی ہے اور غیروں نے بھی۔

کیونکہ یہی وہ گھرانا ہے، جو وجہِ تخلیقِ کائنات ہے، اور جن کے بارے میں خداوندِ عالم نے اپنی بزمِ ملکوت کے مقرب فرشتوں کو مخاطب کرکے فرمایا تھا کہ:۔ یَا مَلَائِکَتِیْ وَیَا سُکَّانَ سَمَاوَاتِیْ اِنِّیْ مَا خَلَقْتُ سَمَاءً مَبْنِیَّةً وَلَا اَرْضًا مَدْحِیَّةً وَلَا قَمَرًا مُنِیْرًا وَلَا شَمْسًا مُضِیْئَةً وَلَا فَلَکًا یَدُوْرُ وَلَا بَحْرًا یَجْرِیْ وَلَا فُلْکًا یَسْرِیْ اِلَّا فِیْ مَحَبَّةِ هٰؤُلَاءِ الْخَمْسَةِ...

(اے میرے فرشتو۔

اور میرے آسمانوں کے باشندو۔

میں نے جو آسمان کی چھت بنائی،

اور جو زمین کا فرش بچھایا۔

اور جو چمکتا ہوا چاند۔

اور دمکتا ہوا سورج پیدا کیا۔

اور جو افلاک (مسلسل) گردش کر رہے ہیں

اور جو سمندر بہہ رہے ہیں

اور جو کشتیاں چل رہی ہیں۔ یہ سب کچھ ان پانچ (پنجتن پاک) کی محبت کی بنا پر ہے)

چنانچہ ان ہستیوں کے فضائل و مناقب کا اُن لوگوں نے بھی اعتراف کیا جو آپ کی امامت کے قائل نہ تھے۔

جیسا کہ برادرانِ اہلسنت کے جلیل القدر عالم دین علامہ عبید اللہ امرتسری نے مولائے کائنات کے فضائل کی نشر و اشاعت کے ذیل میں بجا طور سے لکھا ہے کہ:۔

"صرف اہلبیت علیہم السلام کی جناب میں اپنی عقیدت کا اظہار ہے، نہ کسی سے صلہ کی توقع ہے، نہ انعام کی آرزو ہے۔ رب العزت کی بارگاہ سے عفو تقصیرات کا صلہ چاہتا ہوں، اور اہلبیتؑ کی درگاہ سے اپنے گناہوں کی شفاعت کا انعام مانگتا ہوں۔"

(ارجح المطالب :۔ صفحہ ۱۲)

یہی وہ ہستیاں ہیں کہ حضرت رسولؐ خدا نے حکم خدا کے مطابق اپنے بعد اُمت کی رہنمائی کے لئے جابجا، ان ہی کی طرف رہنمائی فرمائی۔

اور مجمع عام میں اعلان فرمادیا کہ:

إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللهِ وَعِتْرَتِي أَهْلَ بَيْتِي، مَا إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي أَبَدًا۔

(میں یقیناً تم لوگوں کے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑ (کر جا) رہا ہوں:

(۱) : اللہ کی کتاب (قرآن مجید)۔ اور
(۲) : میری عترت، میرے اہلبیتؑ۔
جب تک تم لوگ، اِن دونوں سے وابستہ رہو گے، میرے بعد کبھی بھی ہرگز
گمراہ نہ ہو گے۔)
جس کے ذیل میں اکابر علمائے اسلام نے بجا طور سے تحریر فرمایا ہے کہ :
"یہ حدیث اہلبیتؑ کے سارے اقوال واحکام کی پیروی ثابت کرتی ہے،
اور یہ بات واضح کرتی ہے کہ بعد پیغمبرؐ، جملہ امور میں کسی کی پیروی اُس کے طلبِ امامت
کبریٰ اور امامتِ عظمیٰ ہونے کی دلیل ہے۔
اور اگرچہ حدیثِ ثقلین کی دلالت، اہلبیتؑ کی پیروی پر اظہر من الشمس ہے، مگر
اتمام حجت کرنے کے لئے جید علمائے اہلسنت کی عبارتیں (ملاحظہ فرمایئے) :
"مشکوٰۃ کی شرح کاشف" میں اُس کے مؤلف رقمطراز ہیں کہ :
"قرآن کے ساتھ تمسک کرنے کے یہ معنٰی ہیں کہ اس پر عمل کیا جائے اور
وہ اس کے اوامر کی اطاعت و پیروی، اور اس کے نہی سے اعراض کرنا ہے۔
اور عترت (اہلبیتؑ) کے ساتھ تمسک کے معنٰی یہ ہیں کہ اُن سے محبت کی
جائے، اُن سے ہدایت حاصل کی جائے، اور اُن کی سیرت کی پیروی کی جائے"۔

برادرانِ اہلسنت کے ایک اور ممتاز عالمِ دین علامہ تفتازانی نے "شرح
مقاصد" نامی کتاب میں حدیثِ ثقلین کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ :
"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
نے اہلبیت کو اس سلسلہ میں قرین اور ساتھی قرار دیا کہ ان دونوں کے
ساتھ تمسک کرنے کے معنی سوائے اس کے کچھ اور نہیں کہ اس سے

علوم و معارف اور ہدایت حاصل کی جائے' اور یہی معنی عترت کے ساتھ تمسک کرنے کے ہیں۔"

(شرح المقاصد جلد ۲ صفحہ ۲۲۲)

اور علامہ ابن حجر مکی جو اپنی عداوت میں ایک امتیازی حیثیت کے حامل ہیں۔ مگر وہ بھی یہ اعتراف کرنے پر مجبور نظر آتے' کہ:

(حضرت) "رسولِ خدا نے قرآن و عترت کو جو اُن کے اہل نسل اور قریب ترین رشتہ دار ہیں' ثقلین کہا ہے کیونکہ ہر نفیس اور محفوظ رکھنے والی شے کو "ثقل" کہتے ہیں ہر ایک علوم لدنی کا معدن اور اسرار و مخزن حکم علیا اور احکام شرعیہ کا منبع ہے' اسی وجہ سے (آں) حضرتؐ نے لوگوں کو اُن کی پیروی' اُن سے تمسک اور ان سے علم حاصل کرنے کی ترغیب و تشویق دی ہے۔"

(الصواعق المحرقہ صفحہ ۹۰)

اور علامہ نورالدین سمہودی' حدیث ثقلین کے طرق کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ:
"چونکہ قرآن و عترت میں سے ہر ایک علم لدنی کا معدن اسرار و حکم شرعی کا منبع اور استخراج حقائق کا خزانہ ہے اس لئے حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اُن دونوں کو "ثقلین" کہا۔ اور بعض روایتوں کے مطابق لوگوں کو اپنے اہلبیتؑ کی اقتدا' اُن کے ساتھ تمسک' اور اُن سے حصول علم کی ترغیب و تشویق دی ہے۔"

(ملاحظہ فرمائیے:
"جواهر العقدین جلد ۲ صفحہ ۹۳)

اور ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ :

" قرآن کے ساتھ تمسک کرنے کے معنیٰ اس کے جملہ اوامر پر عمل اور اس کے جملہ نواہی سے اعراض کرنا ہے اور پیغمبرؐ کی عترت کے ساتھ تمسک کا مطلب ان سے محبت اور اُن کی سیرت کی پیروی کرنا ہے ۔"

(ملاحظہ فرمایئے :

" شرح الشفا جلد ۲ صفحہ ۴۱۰ برحاشیہ نسیم الریاض)

اور علامہ مناوی نے "فیض القدیر" میں لکھا ہے کہ :

" حدیث کا پہلا جملہ : " انی تارک فیکم " کو دیکھتے ہوئے اس جملہ (و انھما لن یفترقا) ... میں اس بات کی طرف اشارہ ، بلکہ تصریح ہے کہ :

" یہ دونوں ایک دوسرے سے جُدا نہیں ہونے والے ہیں" جنھیں حضرت (رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے اپنا جانشین قرار دیا" اور اُمت سے اُن کے ساتھ حسن سلوک کرنے ، اُن کے حقوق کو دوسروں پر ترجیح دینے اور دینی امور میں اُن دونوں کے ساتھ تمسک کرنے کا حکم دیا ہے کتاب خدا سے تمسک کرنے کا حکم اس لئے دیا کہ یہ علوم دینی اور احکامِ شرعی کا معدن اور حقائق و دقائق کا گنجینہ ہے ۔ اور عترت کے ساتھ تمسک کرنے کا اس لئے حکم دیا کہ جب کسی کا ریشہ اور جڑ پاک ہو ، تو یہ پاکی دین فہمی میں کمک کرتی ہے ۔ اس لئے کہ پاکی طینت سے حسنِ اخلاق اور محاسنِ اخلاق سے صفائے قلب اور دل کی طہارت ہوتی ہے ۔"

(ملاحظہ فرمایئے : فیض القدیر جلد ۳ صفحہ ۱۵۰)

اس مبارک حدیث کو برادرانِ اہلسنت کی بکثرت معتبر کتابوں میں دیکھا جاسکتا ہے جن میں سے چند کتابوں کا حوالہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

صحیح مسلم ——— امام مسلم نیشاپوری۔

جامع ترمذی ——— امام ترمذی۔

مُسند ——— امام احمد بن حنبل۔

مُسند ——— ابنِ راہویہ۔

الطبقات ——— ابن سعد۔

السنن ——— امام نسائی۔

المعجم الکبیر ——— الطبرانی۔

مُسند ——— ابو یعلی۔

مصابیح ——— امام البغوی

الشفاء ——— قاضی عیاض۔

نوادر الاصول ——— حکیم ترمذی۔

کتاب السنۃ ——— ابن ابی عاصم۔

تہذیب الآثار ——— محمد بن جریر طبری۔

امالی ——— محاملی۔

تفسیر الکشف البیان ——— امام ثعلبی۔

تفسیر جامع الاصول ——— ابن اثیر۔

مشکوٰۃ المصابیح ——— ولی الدین خطیب تبریزی۔

تحفۃ الاشراف ——— ابو الحجاج مزی۔

مفاتیح شرح مصابیح ——— شمس الدین خلخالی

نظم درر السمطین	جمال الدین زرندی
تفسیر قرآن	ابن کثیر دمشقی
شرح مقاصد	سعد الدین تفتازانی
احیاء المیت بفضائل اہل البیت	علامہ جلال الدین سیوطی
تفسیر در منثور	" "

ان کے علاوہ اور بھی علماء و محدثین اہلسنت نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے"

(طبقات الانوار جلد ۲، صفحہ ۲۲)

✻

برادران اہلحدیث کے مستند عالم دین نواب صدیق حسن خاں نے "السراج الوہاج فی شرح صحیح مسلم بن الحجاج" میں زید بن ارقم کی حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ:

"اہلبیتؑ پر زکواۃ کیوں حرام ہے۔ اس پر بحث کرنے کی یہاں جگہ نہیں ہے دوسری جگہ اس پر بحث ہوگی۔ یہاں ہماری غرض ان کی فضیلت بیان کرنی ہے اور وہ تعظیم و اکرام اور "ثقل" ہونے میں کتاب خدا کے شریک ہیں، لہٰذا ان دونوں کا حاصل کرنا ضروری ہے، کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ رسولِ خدا کے پاس حوضِ کوثر پر وارد ہوں۔"

✻

محمد معین سندھی نے بھی حدیث زید بن ارقم کو مذہب اہلبیتؑ اختیار کرنے کی دلیل قرار دیا ہے، وہ صحیح مسلم میں موجود زید بن ارقم سے منقول حدیث ثقلین کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"حضرت رسولِ خدا نے تین مرتبہ جو فرمایا کہ:

"میں تمہیں اہلبیتؑ کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں"

یہ اُن کے ساتھ تمسک کرنے کی ترغیب اور ان کے اقوال و افعال اور انکے مذہب کو اختیار کرنے کی تشویق تھی۔"

(ملاحظہ کیجئے:

دراسات اللبیب صفحہ ۲۳۲)

✼

اور برصغیر کے ایک اور ممتاز عالمِ دین شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس جملہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ!

"اس جملے کی تکرار مبالغہ اور تاکید کی وجہ سے تھی' اہلبیتؑ کے معنی واضح ہیں اور اور اُن پر یہ سارے معانی درست ہیں' خاص طور سے آخری معنی۔ یعنی اُن سے محبت ۔ اُن کی تعظیم اور اُن کے حقوق کی رعایت تو واضح ہے' اور یہ اشارہ اخذ سنت کی طرف۔ کیونکہ پہلے کتاب پر عمل کرنے کا حکم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سارے مومنین۔ اہلبیت نبیؐ' اور اُن کی آل کے مطیع ہیں۔"

(ملاحظہ کیجئے:

اشعۃ اللمعات شرح المشکواۃ جلد ۴ صفحہ ۶۸۱)

✼

حدیث ثقلین کے آخر میں حضور اکرم صلی اللہ و آلہ وسلم کا یہ فرمانا کہ:

فَانظُرُوا کَیفَ تَخلُفُونِی فِیھِمَا

(تم خود ہی غور کرو کہ تمہیں ان دونوں کے ساتھ کیا رویہ رکھنا چاہیئے)

اپنی اُمت کو اہلبیت کے ساتھ تمسک کرنے اور اُن کی پیروی پر مامور کیا ہے۔

چنانچہ برادرانِ اہلسنت کے مشہور عالمِ دین علامہ شہاب خفاجی نے اس جملے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"یعنی میری وفات کے بعد دیکھو کہ تم کس طرح کتابِ خدا پر عمل اور اہلبیتؑ کی پیروی، اُن کے حقوق کی رعایت اور اُن کے ساتھ نیکی کرتے ہو۔ اس لئے کہ جس نے انھیں شاد کیا، اس نے مجھے شاد کیا، اور جس نے انھیں آزردہ کیا، اس نے مجھے آزردہ کیا۔"

(حوالہ کیلئے ملاحظہ فرمایئے:

فیض القدیر، جلد ۲۔ صفحہ ۱۴۳)

✲

سرکارِ رسالتمآبؐ کے جلیل القدر صحابی جناب ابوذر غفاریؓ کا بیان ملاحظہ فرمایئے:

"سلیم بن قیس ہلالی کا کہنا ہے کہ میں اور حبیش بن معتمر مکہ میں تھے، جناب ابوذرؓ کو دیکھا کہ وہ درِ کعبہ کی زنجیر پکڑے ہوئے کہہ رہے تھے کہ:

"اے لوگو۔ جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہی ہے۔ اور جو نہیں پہچانتا وہ پہچان لے کہ میں جندب بن جنادہ (ابوذرؓ) ہوں۔

"لوگو۔ میں نے تمہارے پیغمبرؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

"تم لوگوں کے درمیان میرے اہلبیتؑ کی مثال ایسی ہے جیسے (جنابِ نوحؑ کا سفینہ، کہ جو شخص اس پر سوار ہوا، اس نے نجات پائی، اور جس نے گریز کیا وہ ہلاک ہوا۔

اور آپ نے یہ (بھی) فرمایا کہ: تمہارے درمیان میرے اہلبیتؑ کی مثال بالکل ایسی ہے، جیسے بنی اسرائیل کے لئے "بابِ حطہ" کہ جو اُس میں داخل ہوا، بخش دیا گیا۔

نیز (حضورِ اکرمؐ نے) فرمایا کہ: "میں تم میں ایسی چیزیں چھوڑے

جاتا ہوں کہ اگر تم ان کے ساتھ تمسک کئے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، ایک کتابِ خدا (قرآن مجید) دوسرے میری عترت (اہلبیتؑ) یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر پہونچیں۔

(حوالہ کیلئے دیکھئے:

ینابیع المودۃ صفحہ ۳۰)

علامہ سخاوی نے حدیثِ ثقلین کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

"یہ حدیث" اہلبیت کے عظیم افتخار کو بیان کر رہی ہے، اس لئے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا یہ فرمانا کہ:

"دیکھو، ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے ہو۔"

"میں تم لوگوں کو اپنے اہلبیتؑ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔" اور "میں تمہیں اہلبیتؑ کے بارے میں اللہ کو یاد دلاتا ہوں۔"

یہ سب جملے، اہلبیتؑ کے ساتھ مودّت، ان کے ساتھ اچھا سلوک، انکی حرمت کی رعایت اور ان کے واجبی و مستحبی حقوق کی ادائیگی کی ترغیب و تشویق ہے۔ کیونکہ روئے زمین پر حسب و نسب اور عزت و شرف کے لحاظ سے بہترین گھرانے کی فرد یہ ہیں۔"

(ملاحظہ فرمایئے:

استجلاب ارتقاء الغرف)

اور علامہ بدخشانی لکھتے ہیں کہ: "اہلبیتؑ کی محبت ہر مومن و مومنہ پر واجب ہے"

اور اُن سے بغض و کینہ حرام ہے۔ اس کی دلیل آیۂ مودت اور حدیثِ ثقلین ہے۔
(دیکھئے: نزل الابرار صفحہ ۲)

✻

ابن حجر مکی کی ایک اور عبارت ملاحظہ فرمایئے۔ جس میں انہوں نے حدیثِ ثقلین کو نقل کرنے کے بعد اس کی وجہ تسمیہ یوں بیان کی ہے، کہ:

(حضرت) رسولؐ خدا اور اہلبیتؑ کو، جو آپ کے قریب ترین رشتہ دار ہیں، ثقلین سے یاد کیا ہے، کیونکہ ہر نفیس اور محفوظ رکھنے والی چیز کو ثقل کہتے ہیں۔ اور یہ دونوں ایسے ہی ہیں

کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک علم لدنی کا معدن، اور احکام شرعیہ کا مخزن ہے، اسی وجہ سے آنحضرتؐ نے اُن کی پیروی کرنے، اُن سے تمسک کرنے اور ان سے علم حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے، اور فرمایا کہ:

"شکر اس خدا کا، جس نے ہم اہلبیتؑ میں حکمت کو ودیعت فرمایا"
اور کہا گیا کہ اُن کو ثقلین اس وجہ سے فرمایا کہ ان کے حقوق کی رعایت امت پر واجب کر دی۔

ملاحظہ فرمایئے:

(الصواعق المحرقہ: صفحہ ۹۰)

✻

علامہ سلیمان قندوزی اس حدیث کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں کہ:

"مناقب میں احمد بن سلام سے، انہوں نے حذیفہ بن یمانؓ سے روایت کی ہے، حذیفہؓ کا بیان ہے کہ ہم نے رسول خدا کی اقتدا میں

نمازِ ظہر پڑھی۔ نماز کے بعد آنحضرتؐ نے ہم لوگوں کی طرف رُخ کرکے فرمایا کہ :

" اے میرے صحابیو ۔۔ میں تمہیں تقوائے الٰہی اور اس کی اطاعت کی وصیت کرتا ہوں۔ میں عنقریب تم لوگوں سے رخصت ہونے والا ہوں' اور تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ کتابِ خدا (قرآن مجید) اور میری عترت' میرے اہلبیتؑ ۔۔ اگر تم لوگ ان دونوں سے وابستہ رہے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔

اور یہ دونوں کبھی (ایک دوسرے سے) جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر پہونچیں گے۔

اُن سے تم پڑھنا۔ انھیں پڑھانا نہیں ۔۔ کیونکہ یہ تم سے زیادہ جانتے ہیں۔"

ملاحظہ فرمایئے :

ینابیع المودۃ صفحہ ۳۰ (طبع قدیم)

❋

ابو نعیم اصفہانی نے منقبۃ المطہرین میں لکھا ہے کہ :

حضورِ اکرم نے ارشاد فرمایا کہ :

" میرے اہلبیتؑ سے آگے نہ بڑھنا' ورنہ تم ہٹ جاؤ گے۔ اور نہ پیچھے رہ جانا' کہ اس صورت میں بھی گمراہ ہو جاؤ گے' اور انھیں سکھانا پڑھانا نہیں' کیونکہ وہ تم سے زیادہ جانتے ہیں' اور یہ تم لوگوں کو نہ درِ ہدایت سے خارج کریں گے اور نہ ہی درِ ضلالت میں داخل کریں گے۔

یہ بچپنے میں سب سے زیادہ جاننے والے۔ اور بزرگی میں سب سے زیادہ
بُردبار ہیں۔"

نوٹ

اب تک جو مطالب پیش کئے گئے وہ تمام اہلبیت طاہرین علیہم السلام کے بارے میں، عالم اسلام کی مستند ترین کتابوں کے اندر موجود ہیں۔

اور حضرت امام علی نقی علیہ السلام، حضرات ائمہ اہلبیتؑ میں سے دسویں حضرت رسولؐ خدا کے دسویں جانشین برحق ہیں۔

جو اُن تمام اوصاف و محامد اور مناقب و کمالات میں شریک ہیں جو حضورؐ اکرم نے اپنے اہلبیتؑ کے بارے میں فرمائے ہیں۔

ذیل میں ہم عالم اسلام کی چیدہ چیدہ کتابوں کے حوالے کے ساتھ، کچھ ایسے اعترافات کا تذکرہ کرتے ہیں جو امام علی نقی علیہ السلام کے دور کی جانی پہچانی شخصیتوں نے برسرِ عام کئے ہیں، اور جن کا تذکرہ معتبر کتابوں کے اندر موجود ہے۔

صاحب اعلام الہدایۃ نے لکھا ہے کہ:

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی عظمت وجلالت کا اعتراف اپنوں اور غیروں سب ہی نے کیا ہے، اور تاریخ کے اوراق کو پلٹ کر دیکھا جائے تو یوں محسوس ہوگا کہ پورے عالم کا اجماع واتفاق تھا، آپ کی جلالتِ قدر پر!!

یہاں تک کہ بادشاہِ وقت، جس کا دل آپ کے خلاف کینہ وعداوت سے بھرا رہتا تھا، مگر آپ کی ہیبت وجلالت کا اس کے دل پر ایسا تھا کہ آپؑ کو خط لکھتا تو

آپ کی رفعتِ شان کا اعتراف کرتا۔

شیخ ابو جعفر محمد یعقوب کلینیؒ کا بیان ہے کہ:

آپ کے دور کے عباسی حکمرانؑ نے امام علی نقی علیہ السلام کو جو خط لکھا، اس کی عبارت یہ تھی۔۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اما بعد ۔۔ ان امیر المومنین عارف بقدرك' راع لقرابتك' موجب لحقك' موثر فی الامور فیك' وفی اهل بیتك لما فیه صلاح حالك وحالهم و تثبیت عزك وعزهم وادخال الامر علیك یبتغی بذلك رضی اللہ واداء ما افترضه علیه فیك وفیهم... وامیر المومنین مشتاق الیك ویحب احداث العهد بقربك والتیمن بالنظر الی میمون طلعتك المبارکة۔

(شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان۔

نہایت رحم کرنے والا ہے

اما بعد۔۔ مسلمانوں کا حاکم، آپ کی قدر و منزلت کا اعتراف کرتا ہے' آپ کی قرابت کی رعایت کرنے والا ہے' آپ کے حق کو اپنے اوپر واجب قرار دیتا ہے' اور امور و معاملات میں' آپ اور آپ کے اہل خانہ کی جو صلاح ہو اسے ترجیح دینے والا ہے۔

وہ آپ کی عزت، اور آپ کے اہلبیتؑ کی عزت کی تثبیت کرنے والا ہے اور آپ کے امر کو تسلیم کرتا ہے۔

اور ان تمام باتوں کے ذریعے اللہ کی خوشنودی اور آپ کے جو حقوق فرض ہیں، ان کی ادائگی کا خواہشمند ہے۔

(آخر میں یہ بھی لکھا کہ:

"مسلمانوں کا یہ حاکم، آپ کا مشتاق ہے، آپ کے تقرب سے تجدید عہد کرنا چاہتا ہے، اور آپ کے روئے انور اور چہرۂ اقدس کی زیارت کا مبارک شرف حاصل کرنا چاہتا ہے

(والسلام)

(حوالہ کیلئے ملاحظہ فرمایئے:

اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۵۰۲)

(۲)

ابو عبداللہ جنیدی (برادران اہلسنت کے مشہور عالم دین کہا کرتے تھے کہ:

واللہ تعالیٰ لھو خیر اھل الارض، وافضل من براٴ اللّٰہ۔

(خداوند عالم کی قسم وہ تمام روئے زمین کے تمام انسانوں سے بہتر ہیں، اور اللہ کی جملہ مخلوقات سے افضل ہیں

(۳)

برادران اہلسنت کے ایک اور معزز عالم دین یزداد الطبیب نے حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے بارے میں اعتراف کیا، کہ:

اذا کان مخلوق یعلم الغیب فھو

(اگر مخلوقات میں سے کوئی، علم غیب رکھتا ہے تو وہ یہی — (امام علی نقی) ہیں

(بحار الانوار جلد ۵۰ صفحہ ۱۶۱)

(۴)

ابن شہر آشوب نے آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

وکان اطیب الناس بھجۃ واصدقھم لھجۃ واملحھم من قریب واکملھم من بعید۔

اذا صمت علتہ ھیبۃ الوقار، واذا تکلّم سماہ البھاء، وھو من بیت الرسالۃ والامامۃ ومقرالوصیۃ والخلافۃ شعبۃ من دوحۃ النبوۃ منتضاۃ مرتضاۃ وثمرۃ من شجر الرسالۃ مجناۃ مجتباۃ۔

(جمال و جلال کے لحاظ سے تمام انسانوں سے عمدہ۔

لہجہ کے اعتبار سے سب سے زیادہ سچے۔

قربت کے لحاظ سے سب سے زیادہ ملیح۔

اور دُور سے دیکھیں، تو بھی انتہائی کامل

جب خاموش رہتے تو عظمت و وقار کی ہیبت چھائی رہتی۔

اور جب گفتگو فرماتے تو رونق نمایاں رہتی۔

وہ خاندانِ رسالتؐ و امامتؑ (کی عظیم المرتبت فرد تھے)

پیغمبرؐ کی وصیت اور اُن کی جانشینی کا مرکز

وہ غنچۂ نبوت...

جو۔۔ شاداب بھی ہے۔۔ اور پسندیدہ بھی۔

اور شجرِ رسالتؐ کا وہ پھل۔۔

جو چُنا ہوا بھی ہے۔۔ اور برگزیدہ بھی)

(ملاحظہ فرمائیے: کتاب مناقب جلد ۴ صفحہ ۳۳۲)

(۵)

شافعی حضرات کے مستند عالم دین۔۔۔ شیخ کمال الدّین

محمد بن طلحہ شافعی نے امام نقی علیہ السلام کے بارے میں لکھا ہے کہ:

واما مناقبہ: فمنھا ما حل فی الآذان محل حلاھا باشنافھا واکتنفہ شغفا بہ اکتناف اللآلی الثمینۃ باصدافھا، وشھد لابی الحسن ان نفسہ موصوفۃ بنفائس اوصافھا وانھا نازلۃ من الدوحۃ النبویۃ فی ذری اشرافھا، وشرفات اعرافھا.

آپ کے فضائل ومناقب میں سے جو (لوگوں کی) سماعتوں تک رسائی پا گئے، وہ درحقیقت اپنے محل تک پہنچے اور شوق ووجدان نے انھیں اس طرح سمو لیا، جیسے بیش قیمت موتی، اپنے صدف کے اندر سمو جائے۔

اور (ان مناقب نے) ابو الحسن (حضرت امام علی نقی علیہ السلام) کے بارے میں یہ گواہی دی کہ:

اُن کی ذات نفیس ترین اوصاف سے مزین ہے۔

گویا یہ غنچۂ نبوت ہے جو شرف کی بلندیوں پر ہے، اور اعلیٰ ترین نمایاں مقام پر فائز ہے۔)

(ملاحظہ فرمایئے:

مطالب السؤل ص ۸۰)

(۶)

علامہ ابن حجر مکی نے لکھا ہے کہ:

...وکان وارث ابیہ علما وسخاء

(وہ علم وسخاوت میں اپنے والد کے وارث دار تھے)

(دیکھئے: صواعق محرقہ ص ۲۰۵)

(۷)

برادرانِ اہلسنت کے ایک اور ممتاز عالم دین احمد بن یوسف بن احمد الدمشقی القرمانی نے آپؑ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

الفصل التاسع فی ذکر بیت الحلم والعلم والایادی :

الامام علی بن محمد الهادی رضی الله عنه ولد

وکنیته ابو الحسن ولقبه الهادی ...

نقش خاتمه : الله ربی وعصمتی من خلقه۔

واما مناقبه نفیسة وصافه شریفة

دسویں فصل اُس خاندان کے ذکر میں جو حلم و بُرد باری، علم (و دانش) اور نعمتوں کا گھرانہ ہے۔ (جس کے ایک فرد) امام علی بن محمد (النقیؑ) ہیں۔ اللہ ان سے خوش ہوا۔

مدینہ منورہ میں آپ کی ولادت باسعادت ہے۔

آپ کی کنیت ابوالحسن اور لقب الہادی (وغیرہ) ہے۔

آپ کی انگوٹھی کا نقش یہ تھا:

'اللہ ربی وعصمتی من خلقہ'

آپ کے (فضائل و) مناقب نہایت نفیس' اور آپ کی صفات نہایت پاکیزہ' اور شرف سے مالامال ہیں۔

حوالہ کے لئے دیکھئے :

اخبار الدول صفحہ ۱۱۷

(۸)

شافعی حضرات کے ممتاز دینی رہنما عبداللہ الشبراوی نے لکھا ہے کہ:

العاشر من الائمة علی الھادی ولد بالمدینہ ... وکراماتہ کثیرۃ۔

(ائمہ میں سے دسویں امام علی (نقی) ہیں (جن کا لقب) ہادی ہے۔

آپ کی ولادت باسعادت مدینہ منورہ میں ہوئی۔

آپ کی کرامتیں بہت زیادہ ہیں۔

ملاحظہ فرمایئے:

(الاتحاف بحب الاشراف ص۱۶۶)

(۹)

برادران اہلسنت کے ایک اور جلیل القدر عالم دین: عبداللہ بن اسعد الیافعی

نے امام علیہ السلام کے بارے میں لکھا ہے کہ:

ابوالحسن علی الھادی بن محمد الجواد بن علی الرضا بن موسی الکاظم

بن جعفر الصادق العلوی الحسینی۔

عاش اربعین سنۃ

وکان متعبدا فقیھا اماما۔

(ابوالحسن علی (نقیؑ جن کا لقب) ہادی ہے۔

وہ (امام) محمد تقی جوادؑ کے فرزند ہیں۔

وہ (امام) علی رضاؑ کے فرزند ہیں۔

وہ (امام) موسی کاظم کے فرزند ہیں۔ اور

وہ (امام) جعفر صادقؑ کے فرزند ہیں۔

علوی بھی ہیں، حسینی بھی ــــ (تقریباً) چالیس سال دنیا میں

زندگی گزاری۔ (نہایت عبادت گذار، فقیہ اور امام تھے۔

(دیکھئے: مرآۃ الجنان جلد ۲، ص ۱۶۰)

برادرانِ اہلسنّت کے مشہور مفسر حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر نے آپ کے حالات قلمبند کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

وقد کان عابدا زاھدا۔ نقلہ المتوکل الی سامرا، فاقام بھا انیداً من عشرین سنۃ باشھر۔

ومات بھافی ھذہ السنۃ۔ سنۃ اربع وخمسین ومائتین۔

وقد ذکر للمتوکل ان بمنزلہ سلاحا وکتبا کثیرۃ من الناس فبعث کبسہ فوجدوہ جالسا مستقبل القبلۃ وعلیہ مدرعۃ من صوف وھو علی التراب لیس دونہ حائل۔

(جہاں تک ابوالحسن امام علی (نقی) ہادیؑ کا تعلق ہے تو وہ ائمہ اثناعشریہ میں سے ہیں، اور وہ (امام) حسن عسکریؑ کے والد ہیں۔

وہ عبادت گذار، زاھد و پارسا تھے۔

متوکل عباسی نے اُن کو مدینہ منورہ سے جلا وطن کر کے سامرا منتقل کر دیا، جہاں آپ بیس سال سے کچھ مہینہ زیادہ مقیم رہے۔

سنہ ۲۵۴ھ میں وہیں آپ کی شہادت واقع ہوئی۔

متوکل عباسی کو بدخواہ لوگوں نے ورغلایا کہ امامؑ کے گھر میں اسلحہ اور بہت سے لوگوں کی طرف سے آئے ہوئے خطوط کا ایک ذخیرہ ہے۔ تو اس نے اپنے کچھ فوجیوں کو (گھر کی تلاشی کے لئے بھیجا) مگر جب وہ لوگ آئے تو دیکھا کہ امامؑ قبلہ رخ بیٹھے ہوتے ہیں جسم مبارک پر اُون کا لباس ہے اور زمین کے فرش پر کچھ بچھائے بغیر آپ تشریف فرما ہیں۔

(حوالہ کے لئے دیکھئے:

البدایہ والنھایہ جلد ۱۱ صـ ۱۵)

(۱۱)

ابن ابی الخلکان نے اس واقعہ کو قدرے تفصیل سے لکھا ہے۔

حضرت ابوالحسن (امام) علی نقیؑ ابن امام محمد تقی۔ ائمہ اثنا عشر میں سے ہیں۔

لوگوں نے متوکل کے پاس مخبری کی کہ آپ کے گھر میں اسلحہ اور آپ کے شیعوں کے بہت سے خطوط وغیرہ ہیں۔ اور اسے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ امام علیہ السلام اقتدار و حکومت کے طلبگار ہیں۔

متوکل نے یہ سن کر رات کے وقت ترکی فوجوں کا ایک دستہ آپ کے بیت الشرف کی طرف روانہ کیا۔ وہ لوگ اچانک آپ کے گھر میں داخل ہو گئے۔ دیکھا کہ امام علی النقیؑ قبلہ رُخ بیٹھے ہوئے خوش الحانی کے ساتھ قرآن مجید کی آیتوں کی تلاوت فرما رہے ہیں' اور زمین پر جس جگہ آپ تشریف فرما تھے' وہاں ریت اور چٹائی کے علاوہ کوئی فرش بھی نہ تھا۔

(ملاحظہ فرمایئے:

وفیات الاعیان جلد ۲۔ صفحہ ۴۳۵)

اہلبیتِ پیغمبرؐ سے تمسک

بعض برادران اہلسنت نے حدیث ثقلین کو ان الفاظ میں اپنی کتابوں میں درج کیا ہے کہ:

إِنِّي تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ:
كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِي۔

(میں تم لوگوں کے درمیان دو (چیزیں) چھوڑ رہا ہوں، کہ اگر ان سے تمسک رکھو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے:
اللہ کی کتاب (قرآن مجید) اور میری عترت (میرے اہلبیتؑ)

اور جس طرح اس حدیث سے اہلبیتؑ کے ساتھ تمسک کرنا ثابت ہے، اسی طرح قرآن کی اس آیت: "وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۔" سے بھی اہلبیتؑ کے ساتھ تمسک کرنا ثابت ہے، اس لئے کہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں رسولِ خداؐ و اہلبیت طاہرینؑ سے منقول ہے کہ حَبْلُ اللّٰه سے مراد اہلبیت ہیں۔

چنانچہ ثعلبی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

"ہمیں عبداللہ بن محمد بن عبداللہ نے بتایا۔ انہوں نے محمد بن عثمان سے۔ انہوں نے محمد بن حسین بن صالح سے۔ اور انہوں علی بن عباس مقانعی سے روایت کی ہے کہ:

(حضرت) جعفر بن محمد (امام جعفر صادقؑ) نے فرمایا ہے کہ:

"ہم ہی وہ حبل اللہ ہیں، جن کے بارے میں خداوندِ عالم نے فرمایا ہے کہ : وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعاً وَّلَا تَفَرَّقُوا۔"
(دیکھئے تفسیرِ ثعلبی)

ابونعیم اصفہانی نے لکھا ہے کہ:
ہم سے محمد بن عمر سالم نے بیان کیا، انہوں نے احمد بن زیاد عجلان سے، انہوں نے جعفر بن علی نجیح سے۔ اور انہوں نے حسن بن حسین عرنی سے روایت کی ہے۔
وہ کہتے ہیں کہ:-
"میں نے جعفر بن محمد (امام جعفر صادقؑ) کو اس آیت وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا کے بارے میں فرماتے ہوئے سنا کہ نَحْنُ حَبْلُ اللّٰہِ۔

اور علامہ آربلی نے لکھا ہے کہ:
وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جمیعا کی تفسیر میں محدث عزالدین کا کہنا ہے کہ:
"حبل اللہ علیؑ اور اُن کے اہلبیتؑ ہیں۔"
(تفسیر ثعلبی ملاحظہ فرمایئے)

اور آبان بن تغلب سے روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:
"ہم ہی وہ "حبل" ہیں جن کے بارے میں خداوندِ عالم نے فرمایا

ہے کہ : وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعاً وَلَا تَفَرَّقُوْا۔

اور صاحب المناقب نے سعید بن جبیر سے ۔ اور انہوں نے جناب عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ :

"ہم لوگ حضرت رسولؐ خدا کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ ایک بادیہ نشین آیا، اور اس نے عرض کیا۔

" اے خدا کے رسولؐ میں نے سنا ہے کہ آپ فرمایا ہے :

" واعتصموا بحبل اللہ ۔ پس وہ حبل اللہ کیا ہے جس سے متمسک رکھنے کا حکم دیا گیا ہے ؟

حضرت رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ :

"یہ حبل اللہ ہیں، ان کے دامن سے وابستہ رہو، اور اسے مضبوطی سے پکڑے رہو۔"

(ملاحظہ فرمایئے :

ینابیع المودۃ طبع قدیم صفحہ ۱۲۹)

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ :

" امام شافعیؒ نے حبل اللہ کی تفسیر : ولائے اہلبیتؑ سے کی ہے، اور اس کا اظہار اپنے اشعار میں کیا ہے،

چنانچہ احمد بن عبدالقادر عجیلی نے ذخیرۃ المآل میں فضیلتِ اہلبیت کے سلسلہ میں ائمہ اربعہ کی شہادتوں کو نقل کیا ہے۔

(اس سلسلہ میں) امام شافعیؒ کے طولانی قصیدے کے چند اشعار درج ہیں :

وَلَمَّا رَأَيْتُ النَّاسَ قَدْ ذَهَبَتْ بِهِمْ
مَذَاهِبُهُمْ فِي أَبْحُرِ الْغَيِّ وَالْجَهْلِ
رَكِبْتُ عَلَى اسْمِ اللّٰهِ فِي سُفُنِ النَّجَا
وَهُمْ أَهْلُ بَيْتِ الْمُصْطَفَى خَاتَمِ الرُّسُلِ
وَأَمْسَكْتُ حَبْلَ اللّٰهِ وَهُوَ وِلَاءُهُمْ
كَمَا قَدْ أُمِرْنَا بِالتَّمَسُّكِ بِالْحَبْلِ

(جب میں نے دیکھا کہ لوگوں کے مذاہب نے انہیں گمراہی اور جہالت کے سمندروں میں پہنچادیا ہے۔
تو میں ' اللہ کا نام لے کر نجات کی کشتی پر ۔ کہ وہ خاتم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ کے اہلبیتؑ ہیں ' سوار ہو گیا
اور میں نے اللہ کی رسّی کو ' جو محبتِ اہلبیتؑ ہے (مضبوطی سے) پکڑ لیا ' جیسا کہ حبل اللہ سے تمسک کا ہمیں حکم دیا گیا تھا۔

✻

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ بعض علمائے اہلسنت نے 'واعتصموا بحبل اللہ جمیعا' میں 'حبل' کی تفسیر عترتِ طاہرہ کی ہے ' اور اس تفسیر میں حدیثِ ثقلین سے استناد کیا ہے ' اور انہوں نے اس طرح کی حدیث کو نقل کیا ہے جو بصراحت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہی وہ حبل متین ہیں جن سے تمسک کا خداوندِ عالم نے حکم دیا ہے۔

"جامع السلاسل" میں سید علی ھمدانی کے شرح حال میں مجد الدین بدخشانی کے بقول: سید محمد طالقانی نے ، قیافہ نامہ میں مذکورہ آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ: بعض کا کہنا ہے کہ : "حبل اللہ" رسولِ خدا کی عترت ہیں ' جیسا کہ آنحضرت

نے فرمایا :

إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ كَلَامَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِي اَنْ تَمَسَّكُوا بِهِمَا، فَإِنَّهُمَا حَبْلَانِ لَا يَنْقَطِعَانِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

(بیشک میں تم لوگوں کے درمیان دو گراں بہا چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں.
اللہ کا کلام (قرآن مجید) اور میری عترت (میرے اہلبیتؑ)
آگاہ رہو۔ تم لوگ ان دونوں سے وابستہ رہنا کیونکہ یہ دونوں (اللہ کی) ایسی (مضبوط) رسی ہیں جو قیامت تک ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوں گی)

❋

عبدالقادر عجیلی نے" ذخیرۃ المال" میں لکھا ہے کہ :
خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ :
وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا.
(اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور تفرقہ میں نہ پڑو)
اور حضرت رسول خدا صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ :

إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ، مَا إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي، أَحَدُهُمَا أَعْظَمُ مِنَ الْآخَرِ، كِتَابُ اللّٰهِ حَبْلٌ مَمْدُودٌ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ، وَعِتْرَتِي أَهْلُ بَيْتِي.

(میں تم لوگوں کے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں، جب تک تم لوگ ان دونوں سے وابستہ رہو گے، میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔
ان میں سے ایک، دوسری سے عظیم تر ہے۔

(۱) :۔ اللہ کی کتاب (قرآن مجید) جو آسمان سے زمین تک پھیلی ہوئی (اللہ) کی رسّی ہے، اور (۲) : میری عترت، میرے اہلبیتؑ۔

❋

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ فرمانا کہ : لَنْ تَضِلُّوا اِنِ اتَّبَعْتُمُوْهُمَا (اگر تم لوگوں نے دونوں کی پیروی کی، تو ہرگز گمراہ نہیں ہوگے)" یہ خود، اہلبیتؑ کی پیروی کو ثابت کرتا ہے، اور اس بات کو واضح کرتا ہے کہ ان کی پیروی، قیامت تک، گمراہی سے بچانے کی ضامن ہے۔

❋

یہ پیروی، پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس پاک پاکیزہ، معصوم و مُطہر اولاد کی ہونی چاہیے جن کے بارے میں نہج البلاغہ میں مولائے کائنات نے ارشاد فرمایا ہے کہ :

... آلُ النَّبِیِّ عَلَیْهِ السَّلَامُ هُمْ مَوْضِعُ سِرِّهٖ وَلَجَأُ اَمْرِهٖ وَ عَیْبَةُ عِلْمِهٖ وَ مَوْئِلُ حِکَمِهٖ وَ کُهُوْفُ کُتُبِهٖ وَجِبَالُ دِیْنِهٖ بِهِمْ اَقَامَ انْحِنَاءَ ظَهْرِهٖ وَ اَذْهَبَ ارْتِعَادَ فَرَائِصِهٖ۔

(اولادِ پیغمبر، (اللہ کے) راز کے امین، اور اُس کے دین کی پناہ گاہ ہیں، علم الٰہی کے مخزن اور اس کی حکمتوں کے مرجع ہیں۔

کتب (آسمانی) کی گھاٹیاں، اور دین کے پہاڑ ہیں۔

ان ہی کے ذریعہ اللہ نے اس کی پُشت کا خم سیدھا کیا، اور اس کے پہلوؤں سے کپکپی دُور کی)

آگے چل کر ارشاد فرمایا کہ :

لَا یُقَاسُ بِآلِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ

أَحَدٌ وَلَا يُسَوّٰى بِهِمْ مَنْ جَرَتْ نِعْمَتُهُمْ عَلَيْهِ اَبَدًا، هُمْ اَسَاسُ الدِّيْنِ وَعِمَادُ الْيَقِيْنِ.

اِلَيْهِمْ يَفِيْءُ الْغَالِىْ وَبِهِمْ يَلْحَقُ التَّالِىْ، وَلَهُمْ خَصَائِصُ حَقِّ الْوِلَايَةِ، وَفِيْهِمُ الْوَصِيَّةُ وَالْوِرَاثَةُ.

(اس امت میں سے کسی کو آلِ محمدؐ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔
اور جن لوگوں پر اُن (آلِ محمدؐ) کے احسانات ہمیشہ جاری رہے ہوں، وہ اُن کے برابر نہیں ہو سکتے۔
وہ دین کی اساس و بنیاد — اور یقین کے ستون ہیں۔
آگے بڑھ جانے والوں کو اُن ہی کی طرف پلٹ کر آنا ہے، اور پیچھے رہ جانے والے کو (بھی) واپس اُن ہی سے آکر ملنا ہے۔
حقِ ولایت کی خصوصیات ان ہی کے لئے ہیں۔
اُن ہی کے بارے میں پیغمبرِ اکرمؐ کی وصیت ہے اور ان ہی کے لئے آنحضرتؐ کی وراثت ہے)

✲

مولائے کائنات کے ان ارشادات کے ذیل میں شارحین نے لکھا ہے کہ، اہلبیتِ پیغمبرؐ کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

"دنیا کے کسی فرد کو اُن پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، اور نہ ان کی بلندیِ درجات میں کسی کو ان کے ہم پلہ سمجھا جاسکتا ہے۔
کیونکہ دنیا اُن کے احسانات کی گراں باریوں میں دبی ہوئی ہے۔
اور اُن ہی سے نعمتِ ہدایت پاکر اُخروی نعمتوں کی مستحق ہوئی ہے۔
وہ دین کی اساس و بنیاد ہیں کہ شک ریب کے طوفانوں کا

دھارا موڑ سکتے ہیں۔
اور افراط و تفریط کی راہوں میں وہ درمیانی راستہ ہیں کہ اگر کوئی غلو و افراط
کی حد تک پہونچ جائے، یا کوتاہی و تفریط میں پڑ جائے تو وہ جب تک
پیچھے ہٹ کر، یا آگے بڑھ کر اس جادۂ اعتدال پر نہ آئے گا (اس وقت
تک) اسلام کی راہ پر آ ہی نہیں سکتا۔
اور اُن ہی (آلِ رسولؑ) میں وہ تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں، جو
امامت و قیادت میں اُن کے حق کو فائق قرار دیتی ہیں۔
لہٰذا ان کے علاوہ کسی کو امت کی سرپرستی و نگہبانی کا حق نہیں
پہنچتا۔
چنانچہ پیغمبرِ اکرمؐ نے ان ہی کو اپنا وصی و وارث ٹھہرایا۔

وصیت و وراثت کے متعلق شارح (ابن ابی الحدید) معتزلی نے
لکھا ہے کہ:
"امیر المومنینؑ کی وصایت میں تو کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا، البتہ وراثت
سے نیابت و جانشینی کی وراثت مراد نہیں ہے جبکہ وراثتِ علمی مراد ہے۔
(البتہ) فرقہ امامیہ اس سے خلافت و نیابت ہی مراد لیتا ہے۔
لیکن اگر (برادرانِ اہلسنت کے قول کے مطابق) وراثت سے، وراثتِ
علمی مراد لی جائے تب بھی وہ اپنے مقصد میں (کامیاب) ہوتے نظر
نہیں آتے۔
کیونکہ اس معنیٰ کی رو سے بھی نیابتِ پیغمبرؐ کا حق کسی دوسرے کو
نہیں پہنچتا۔

جبکہ یہ امر مسلّم ہے کہ خلافت کے لئے سب سے بڑی ضرورت علم کی ہے' اس لئے کہ خلیفۃ الرسولؐ کے اہم ترین فرائض میں سے مقدموں کا فیصل کرنا' شریعت کے مسائل حل کرنا' مشکل گتھیوں کو سلجھانا اور شرعی حدود کا اجراء کرنا ہے۔

اگر نائبِ رسولؐ میں سے ان چیزوں کو الگ کر دیا جائے' تو اُس کی حیثیت صرف ایک دُنیادی حکمراں کی رہ جاتی ہے' اُسے دینی اقتدار کا مرکز نہیں قرار دیا جاسکتا۔

لہٰذا — یا تو حکومت کو خلافت سے الگ رکھیئے' یا جو شخص رسولؐ کے علم کا وارث ہو' اسے ہی خلافت کے منصب کا اہل سمجھئے!

نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۲

ترجمہ و تشریح علامہ مفتی جعفر حسین صاحب، صفحہ ۲۰۶، ۲۰۷

✻

لہٰذا — ہم' علامہ ابن ابی الحدید سے یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ:

آپ نے اپنے مسلک کی بیجا حمایت کرتے ہوئے' وراثت سے جو وراثت علمی مراد لی ہے' یہ محض تاویلِ بیجا کی حیثیت رکھتی ہے۔

لفظِ وراثت' قرآن و حدیث میں جہاں جہاں استعمال ہوا ہے' ان میں بکثرت مقامات پر علمی وراثت کے بجائے مالی' اور دنیاوی وراثت مراد لی گئی ہے — جیسا کہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہے:

سورہ النساء میں ارشادِ قدرت ہے:

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ۔

(خداوند عالم تم لوگوں کو، تمہاری اولاد کے معاملے میں وصیت کرتا ہے کہ:

لڑکے کو، دو لڑکیوں کے برابر حصّہ (ملے گا)۔

پھر اگر (صرف) لڑکیاں ہوں، دو سے زیادہ، تو اُن کو ترکہ کا دو ثلث (ملے گا)

اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اُسے نصف (ملے گا)۔

اور (مرنے والے) کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو ترکہ کا چھٹا حصہ (ملے گا) اگر مرنے والے کی اولاد بھی ہو۔

اب اگر اُس کی (کوئی) اولاد نہ ہو، اور اُس کے ماں باپ ہی وارث بنیں تو ماں کو ثلث (ملے گا)

(سورۃ النساء آیت ۱۱)

✲

اسی طرح اسی سورہ میں آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا، وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ۔

(اے ایمان والو، تمہارے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ اپنی عورتوں کے زبردستی وارث بن جاؤ — اور نہ اُن کے لئے رُکاوٹ ڈالو، تاکہ جو کچھ تم نے انھیں دیا تھا، اس کا کچھ حصّہ لے اُڑو)۔

(سورۃ النساء:- آیت ۱۹)

✲

اور اس سورہ کی آخری آیت میں ارشاد ہوا۔

يَسْتَفْتُونَكَ ۚ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ۚ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَا إِن لَّمْ يَكُن لَّهَا وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ...

(لوگ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں، کہہ دیجیے کہ کلالہ (بھائی بہن) کے بارے میں اللہ تم لوگوں کو حکم شرعی بتائے گا — اگر کوئی (ایسا) شخص مرجائے، جس کی اولاد نہ ہو — اور اس کی ایک بہن ہو، تو اُس کو ترکہ کا نصف دیا جائے گا اور اگر وہ بہن مرجاتے) اور اس کی کوئی اولاد نہ ہو تو وہی بھائی اس کا وارث ہوگا۔

اب اگر وہ دو بہنیں ہوں... تو انھیں ترکہ کا دو تہائی (بطور میراث ملے گا)

(سورۃ النساء: آیت ۱۷۶)

سورہ الاعراف کی مندرجہ ذیل آیت کو بھی ملاحظہ فرمائیں، جس میں ارشادِ قدرت ہے:

أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِن بَعْدِ أَهْلِهَا أَن لَّوْ نَشَاءُ أَصَبْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ ۔

(کیا وہ لوگ جو زمین کے وارث (ومالک) بنتے ہیں ان کے اہل کے (دنیا سے جانے) کے بعد! انھیں معلوم نہیں کہ اگر ہم چاہتے تو ان کے گناہوں کی بدولت اُن کو مصیبت میں مبتلا کردیتے)

(سورۃ الاعراف: آیت ۱۰۰)

نیز سورۂ احزاب میں ارشادِ قدرت ہے :

وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضًا لَّمْ تَطَئُوهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا

(اور خداوند عالم نے تم لوگوں کو، اُن کی زمین، اُن کے گھروں اور ان کے اموال کا بھی وارث بنادیا اور اُس زمین کا بھی، جس پر تم نے قدم نہیں رکھا تھا، اور اللہ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے)

(سورہ احزاب آیت ۲۷)

✲

ایک اور آیت ملاحظہ فرمایئے :

وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا —

(اور جن لوگوں کو کمزور و بے بس بنایا جارہا تھا، ہم نے انھیں زمین کے مشرق و مغرب کا وارث (و مالک) بنادیا، جس میں ہم نے (زرخیز ہونے کی) برکت دی تھی)...

ملاحظہ فرمایئے :

سورۃ الاعراف آیت ۱۳۷)

✲

مندرجہ ذیل آیت پر بھی غور فرمایئے :

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ ۖ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ.

اور اُن لوگوں نے کہا کہ ہر تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے اپنا

وعدہ ہمیں سچ کر دکھایا اور ہمیں اس سرزمین کا وارث بنا دیا کہ ہم بہشت میں جہاں چاہیں رہیں' تو عمل کرنے والوں کے لئے کیا خوب اجر و ثواب) ہے۔

(ملاحظہ فرمائیے: سورۃ الزمر آیت ۷۴)

✲

اور مندرجہ ذیل آیت بھی دعوتِ فکر دے رہی ہے کہ:

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا۔

(یہی وہ بہشت ہے کہ ہمارے بندوں میں جو پرہیزگار ہو ہم اُسے اس کا وارث بنائیں گے)

(سورۂ مبارکہ مریم آیت ۶۳)

✲

اور مندرجہ ذیل آیت پر غور کرنے کی ضرورت ہے' جس میں خداوندِ عالم کی طرف سے یہ نوید سنائی گئی ہے کہ روئے زمین پر اللہ کے صالح بندوں کی حکمرانی ضرور قائم ہوگی۔

چنانچہ ارشادِ قدرت ہے:

إِنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ۔

(اس میں کوئی شک نہیں کہ میرے صالح بندے' زمین کے وارث بنیں گے۔

(سورۂ مبارکہ الانبیاء آیت ۱۰۵)

✲

اور اسی سے ملتی جلتی بات' مندرجہ ذیل آیت میں بھی فرمائی گئی ہے۔

إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ۔

(یقیناً زمین اللہ کی ملکیت ہے، اپنے بندوں میں سے جسے چاہے گا، اس کا وارث بنادے گا۔ اور (اچھا) انجام تو پرہیزگاروں کے لئے ہے)

(سورۃ الاعراف : آیت ۱۲۸)

اسی طرح قرآن مجید میں، کم از کم دُو درجن مقامات پر میراث کا تذکرہ ہے۔

گفتگو کو زیادہ طوالانی ہونے سے بچانے کے لئے، ہم قلم روکنے سے پہلے قرآن مجید کی اس آیت کو ذکر کرنا چاہتے ہیں، جس میں ارشادِ قدرت ہے کہ۔

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔

اور یہ جنّت — جس کے تم لوگ وارث قرار دیئے گئے ہو، اُس (اچھی) کارکردگی کی وجہ سے ہے، جو تم انجام دیتے رہے ہو)

(ملاحظہ فرمایئے سورۂ مبارکہ الزخرف آیت ۷۲)

قابلِ غور بات یہ ہے کہ :

ان آیات میں وراثت سے، کیا علمی وراثت مراد لی جائے گی — یا یہ سب مال و دولت، زمین، جائداد، اختیارات وغیرہ کی وراثت ہے۔

کون نہیں جانتا کہ باپ کے دُنیا سے جانے کے بعد، جو بیٹا اس کی جائیداد، اس کے باغات، اُس کے اموال، اور اُس کے اختیارات کا مالک بنتا ہے، اُسی کو وارث کہا جاتا ہے۔

ایک ڈاکٹر کے چار بیٹے ہوں، جن میں سے ایک ڈاکٹر ہو، باقی تین بیٹے

دوسرے شعبوں سے تعلق رکھتے ہوں، تو باپ کے دنیا سے جانے کے بعد اُس کی کلینک پر وہی بیٹا بیٹھے گا، جو ڈاکٹر ہو۔ اس کے ہسپتال کو وہی چلائے گا، اور اس کے مریض ڈاکٹر کے اُسی بیٹے سے رُجوع کریں گے، جو باپ کی جگہ لوگوں کی مسیحائی کا فریضہ انجام دے رہا ہو۔

اور دنیا اُسی کو من جمیع الجہات باپ کا وارث و جانشین قرار دے گی، کہ وہ باپ کی صفات کا حامل بھی ہے، اور اس کی چیزوں پر اس کا اختیار بھی ہے۔

❁

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جس ذات گرامی کو اپنا وارث قرار دیا ہے وہ اُن کی صفات اور اُن کے کمالات کے ورثہ دار بھی ہیں، اور ان کی طرف سے تفویض کردہ اختیارات کے حامل بھی۔

لیکن ہمارے بڑے بھائیوں نے، اپنے کچھ بزرگان کو تقدیس کے جامے میں ملفوف کرنے کے لئے اُن کی ایجاد کردہ باتوں کو، قرآن کی صریح تعلیمات پر بھی مقدم قرار دے دیا۔

اور بزمِ خلافت سے جو لاوارث حدیث پیش کی گئی تھی، اسے بنیاد بنا کر یہ نظریہ گڑھ لیا گیا کہ انبیاء نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں، نہ اُن کا کوئی وارث ہوتا ہے۔

جبکہ قرآن مجید میں خالقِ دوجہاں کا ارشاد ہے کہ :

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوُدَ۔

(اور سلیمانؑ، داوُد کے وارث بنے)

(سورۂ مبارکۂ نحل، آیت ۱۶)

❁

حضرت داوُد علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں، جن کا تذکرہ قرآن مجید میں متعدد

مقامات پر آیا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام بھی اللہ کے نبی ہیں' جن کی منفرد سلطنت کا تذکرہ قرآن مجید کے کئی سورتوں کے اندر موجود ہے۔

حضرت داؤدؑ نبی ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ سلطنت واقتدار بھی تھے۔

جب وہ دنیا سے رخصت ہوئے تو اُن کے فرزند حضرت سلیمانؑ اُن کی سلطنت واقتدار کے بھی وارث ہوئے۔

اس طرح ایک نبیؑ نے وارث بنایا۔ دوسرا نبیؑ وارث بنا۔

❋

اس صورت میں دربارِ خلافت سے صادر ہونے والے اس بیان کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے کہ:

نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِیَاءِ لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرِثُ

(ہم گروہِ انبیاء نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں' نہ کسی کو وارث بناتے ہیں)

جبکہ قرآن کا اعلان ہے کہ:

• حضرت سلیمانؑ نبیؑ تھے اور سلطنت کے وارث بنے۔

اور حضرت داؤد جو خود بھی نبیؑ تھے' انہوں نے اپنے فرزند کو اپنی سلطنت کا وارث بنایا۔

۔یہاں اس فرمانِ معصومؑ کو بھی شامل کر لیجئے تو بات اور واضح ہوجائے گی کہ:

مَا خَالَفَ کَلَامَ اللّٰہِ فَہُوَ زُخْرُفٌ

(جو بات اللہ کے کلام (قرآن) کے خلاف ہو وہ لغو اور مہمل ہے)۔

تاریخی حقیقت تو یہ ہے کہ خاتونِ جنت صدیقۂ کبریٰ جناب فاطمۂ زہرا سلام اللہ علیہا کو اُن کی میراث، اور فدک وغیرہ کے حقوق سے محروم کرنے کے لئے، اس وقت کے اربابِ اقتدار نے یہ حدیث وضع کرائی، جو قرآن کی تعلیمات کے صریحاً خلاف ہے۔

چنانچہ شہزادی کونینؑ نے دربارِ خلافت میں جو فصیح و بلیغ خطبہ دیا تھا، اس کے دوران آپ نے مسندِ اقتدار سے یہ بھی سوال کیا تھا کہ:

"یہ بتاؤ — تم دنیا سے جاؤ گے تو تمہاری اولاد کو میراث ملے گی یا نہیں۔؟"

انہوں نے کہا کہ: "ہاں۔ ضرور ملے گی۔

یہ سن کر شہزادی نے فرمایا کہ:

"کیا یہ انصاف ہے کہ تمہاری اولاد کو تو اپنے باپ کی میراث ملے، اور مجھے اپنے باپ کی میراث نہ ملے۔؟

❁

اور حضرت امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ کے وصیِ رسولؐ ہونے کا تذکرہ تو اُن کے مخالفین نے بھی کیا ہے — جس کے تذکروں سے تاریخ کے صفحات بھرے ہوئے ہیں — ہم نمونے کے طور پر چند افراد کے اقرار و اعتراف کو ذیل میں درج کرتے ہیں:

۱

عبداللہ بن ابی سفیان نے حضرت امیر المومنین کے بارے میں کہا ہے کہ:

ومنا علی ذالک صاحب خیبر	وصاحب بدر یوم سالت کتائبہ
وصی النبی المصطفیٰ وابن عمہ	فمن ذا یدانیہ ومن ذا یقاربہ

"علیؑ ... جن کے ہاتھ میں خیبر کا بھی معرکہ رہا اور بدر کا بھی، جس دن اُن کے

لشکروں کا دریا بہا۔
وہ محمد مصطفےٰ کے وصی بھی ہیں اور چچا زاد بھائی بھی۔
ان کے برابر کون ہو سکتا ہے، اور کون اُن سے مقابلہ کر سکتا ہے)

(۲)

جب خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے آپ کی بیعت ہوئی تو۔۔۔
عبدالرحمٰن بن جعیل نے آپ کی تعریف میں مندرجہ ذیل اشعار کہے:

لعمری لقد بایعتم ذا حفیظۃ
علی الدین معروف العفاف موفقا

علیا وصی المصطفےٰ و ابن عمہ
و اول من صلی اخا الدین و التقی

(اپنی زندگی کی قسم۔۔۔ تم لوگوں نے ایک غیرت مند ہستی کی بیعت کی ہے، جس کی عفت و عصمت، دین میں مشہور ہے، اور جو اللہ کی طرف سے صاحب توفیق ہیں۔
وہ علیؑ بن ابی طالبؑ، ہیں جو رسول اکرم حضرت محمد مصطفےٰ کے وصی اور اُن کے چچا زاد بھائی ہیں۔۔۔ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے نماز پڑھی، وہ صاحب دین اور صاحب تقویٰ ہیں)

(۳)

جب طلحہ و زبیر معرکۂ کارزار میں، مولاؑ کے مقابلے پر آئے تو ابوالہیثم تیہان بدری نامی صحابی نے مندرجہ ذیل اشعار کہے۔

قل للزبیر و قل لطلحۃ اننا نحن الذین شعارنا الانصار

عن الذین سرات قریش فعلنا یوم القلیب اولئک الکفار

کنا شعارنبینا دد شارۃ یفدیہ مناالروح والا بصار

ان الوصی اماما دو لینا

برح الخفاد وباحث الاسرار

(زبیرؓ اور طلحہؓ سے کہہ دو کہ یقیناً ہم وہ ہیں جو انصار کہلاتے ہیں۔
ہمارے کام اور بہادری، قریش کے لوگوں نے بدر والے دن، کفار کے مقابلے میں دیکھ لی ہے۔

ہم رسولِ اکرمؐ کی مدد، قریب و دور سے کر رہے تھے، اور اپنی ارواح آنکھیں، اُن پر فدا کئے دے رہے تھے۔

درحقیقت وصی رسولؐ ہمارا امام اور ولی ہے، جو رازوں کا جاننے والا، اور تفتیش کرنے والا ہے، اس میں نہ کوئی شک ہے نہ پوشیدگی ہے)

۶۹

۴

جنگِ جمل میں حضرت امیرالمومنین علیؑ بن ابی طالبؑ کے فرزند، جناب محمد حنفیہ کی مدح کرتے ہوئے عمر بن حارثہ انصاری نے مندرجہ ذیل شعر کہا۔

سمی النبی و شبہ الوصی

ورایتہ لونہا عندم

(وہ رسولِ خداؐ کے ہمنام، اور وصیِ رسولؐ کی شبیہہ ہیں، ان کے پرچم کا رنگ (خون کی طرح) سرخ ہے۔

گویا: مولاؑ کا وصی رسول ہونا تمام لوگوں کے درمیان اس قدر مشہور و معروف تھا کہ شاعر نے جب آپؑ کے بیٹے محمد بن حنفیہ کا تذکرہ

کیا تو اس نے اتنا ہی کہنا کافی سمجھا کہ وہ وصیِ پیغمبرؐ کی شبیہ ہیں (کیونکہ ساری دنیا جانتی تھی کہ وصیِ رسولؐ کون ہے)

۵

قبیلہ ازد کے ایک شخص نے مولا کی توصیف کرتے ہوئے یہ اشعار کہے:

هذا علی وهو الوصی اخاه یوم النجوة النبی
وقال هذا بعدی ولی وعاه واع ونسی الشقی

(یہ علیؑ ہیں، اور یہ وصی ہیں۔ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے "یوم نجوہ" اُن کو اپنا بھائی بنایا۔
اور یہ بھی فرمایا کہ میرے بعد یہی (اللہ کی طرف سے لوگوں کے) ولی ہیں اس بات کو یاد رکھنے والوں نے محفوظ رکھا۔ اور بدقسمت لوگوں نے فراموش کر دیا۔)

۶

بنو ضبہ کا ایک غلام، جو حضرت امیر المومنینؑ کی عداوت کو چھپاتا بھی نہ تھا بلکہ اپنے دشمن ہونے کی خود تشہیر کرتا تھا اُس نے بھی اعتراف کیا ہے کہ:

نحن بنی ضبه اعداء علیؑ
ذاك الذی یعرف قدما بالوصی
وفارس الخیل علی عهد النبیؐ
ما انا عن فضل علیؑ بالعمی

(ہم بنو ضبہ ہیں اور (حضرت) علیؑ کے دشمن ہیں ۔۔ علیؑ تو

وہ ہیں جو مدتوں سے وصی کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔
یہ وہی ہیں جو حضرت رسولؐ خدا کے زمانہ میں شہسوار جنگ تھے،
میں علیؑ کی فضیلتوں سے اندھا نہیں ہوں۔)

۷

مولائے کائنات نے جب منصب حکومت سنبھالا، اور آپ کے خلاف منافقین کی ریشہ دوانیاں شروع ہوئیں تو انصار کے ایک پرجوش حامی نے جس کا نام زیاد بن لبید انصاری ہے۔ آپ کی مدح میں یہ اشعار کہے: جن میں آپ کا نام لینے کے بجائے صرف وصی کہنا ہی شاعر نے کافی سمجھا ہے؛

ولا نبالی فی الوصی من غضب

وانما الانصار جد لا لعب

ھذا علیؑ وابن عبد المطلبؑ

ننصرہ الیوم علی من قد کذب

(وصی رسولؐ کے بارے میں ہم لوگ کسی (کے) غضب سے نہیں ڈرتے، کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ انصار بہت سنجیدہ لوگ ہیں وہ کوئی ہنسی کھیل نہیں ہیں۔
یہ وصیِ رسولؐ، کوئی اور نہیں ہے، علیؑ ہیں، جو حضرت عبد المطلبؑ کے پوتے ہیں، جو (لوگ) غلط بیانی کر رہے ہیں، ان کے مقابلے میں آج ہم انکی مدد کرینگے۔)

۹

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ و آلہ وسلم کے مشہور جلیل القدر صحابی جناب

حجر بن عدی نے امیر المومنین کے فضائل بیان کرتے ہوئے، اور اُن کے وصی رسولؐ ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

ربنا سلم لنا علیا سلم لنا المبارک المرضیا
المومن الموحد التقیا لا خطل الرای و لا غویا
بل ھادیا موفقا مھدیا واحفظا ربی واحفظ النبیا
فیہ فقد کان لہ ولیا ثم ارتضاہ بعدہ وصیا

اے ہمارے پالنے والے (حضرت) علیؑ کو ہمارے لئے سلامت رکھ اُس (ذات گرامی) کو سلامت رکھ جو برکت والے ہیں اور جن سے تو راضی ہے۔
جو مومن ہیں، موحد ہیں، پرہیزگار ہیں، نہ اُن کی رائے کمزور ہے اور نہ وہ راہ راست سے (کبھی) ہٹے ہیں۔
بلکہ ہادی دین، صاحب توفیق اور ہدایت سے سرشار ہیں، ان کی حفاظت فرما۔
کیونکہ علیؑ تو تیرے نبیؐ کے مددگار بھی ہیں، پھر رسول اکرمؐ نے خوشی خوشی، انھیں اپنا وصی بنایا۔

۹

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں بعض اس قدر معتبر تھے کہ اُن کی تنہا گواہی کو دو اشخاص کی گواہی کے برابر قرار دیا گیا۔ اُن میں سے خزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین بھی ہیں۔ انہوں نے ایک موقع پر حضرت امیر المومنینؑ کو مخاطب کیا تو یا علیؑ کہنے کے بجائے یا وصی کہا۔

جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا یہ لقب خاص و عام میں مشہور تھا۔
چنانچہ خزیمہ کا شعر ہے ؎

یا وصی النبیّ قد اجلت الحرب

الاعادی وسارت الاذعان

(اے وصی پیغمبر! ۔ جنگ نے لوگوں کو وقت دے دیا،
اور انھیں اب اس کا اذعان و یقین ہو چکا ہے)۔

۱۰

مولائے کائنات کے منصبِ حکومت سنبھالنے کے بعد جب منافقین کی سازشوں کی بناء پر جنگ کا بازار گرم ہوا، اس موقع پر ابن بدیل بن ورقا الخزاعی نے جو اشعار کہے اُن میں بھی حضرت امیر المومنینؑ کا لقب "وصی" ہی بیان کیا ہے۔
چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ :

یا قوم للخطة العظمی التی حدثت

حرب الوصی وما للحرب من آسی

(اے میری قوم کے لوگو۔ اس واقعۂ عظیم کا کیا علاج ہے
جو حادثہ کے طور پر رونما ہوا کہ وصیِ پیغمبر سے جنگ کی جائے۔
اور جو اس جنگ پر اسب کو رنج و ملال ہے)...

۱۱

جنگِ جمل میں عبد اللہ بن زبیر نے ایک تقریر کی تھی، اس کے جواب میں حضرت امام حسن مجتبیٰؑ نے تقریر فرمائی۔

عمرو بن احنجہ نے امام حسنؑ کی اس تقریر کی حمایت میں کچھ اشعار پڑھے، ان اشعار میں بھی امیر المومنین حضرت امیر المومنینؑ کو وصی پیغمبرؐ کے عنوان سے یاد کیا ہے ملاحظہ فرمایئے:

حسن الخیر یا شبیہ ابیہ
قمت فینا مقام خیر خطیب

وکشفت القناع فاتضح الامر
واصلحت فاسدات القلوب

لست کابن الزبیر لجلج فی القول
وطاطا عنان فشل مریب!

وابی اللہ ان یقوم بما قام بہ
ابن الوصی وابن النجیب!

ان شخصا بین النبی لک الخیر
وبین الوصی غیر مشوب

(اے حسنؑ (صاحب) خیر!۔ اے اپنے باپ کی شبیہ!
آپ ہمارے درمیان ایک عمدہ خطیب کی حیثیت سے کھڑے ہوئے
(اور خطبہ پڑھا)
جو پردے پڑے ہوئے تھے، آپ نے ان کو اٹھا دیا، حق روشن
ہوگیا، اور کھوٹے دلوں کو آپ نے ٹھیک اور صحیح کر دیا۔
آپ نے ویسا خطبہ نہیں پڑھا، جیسا زبیرؓ کے بیٹے نے اٹک
اٹک کے پڑھا تھا، اور کمزور، امر حق میں شک کرتا رہا۔
اللہ کو قبول ہی نہیں کہ اس مقام پر وصی پیغمبرؐ کے فرزند، اور

منتخب و برگزیدہ ہستی کے بیٹے کے سوا کوئی اور کھڑا ہو۔

آپ وہ ہیں، جو اپنے باپ اور نانا۔ نبی اور وصی ۔ دونوں سے مشابہ ہیں، اور نیکی آپ کے ساتھ ہے)

جنگِ جمل کے موقع پر زجر بن قیس جعفی نے بھی ۔۔۔۔ حضرت امیر المومنین علیؑ بن ابی طالبؑ کا وصیِ پیغمبرؐ ہونا، اپنے اشعار میں رقم کیا ہے، اور میدانِ جنگ میں دشمنانِ دین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، کہ:

اضربکم حتی تقروا لعلی

خیر قریش کلھا بعد النبی

من زانہ اللہ و سماہ الوصی

ان الولی حافظ ظھر الولی

کما الغوی تابع امر الغوی

(میں تم لوگوں سے جنگ کرتا رہوں گا، یہاں تک کہ تم لوگ حضرت علیؑ (کی حقانیت) کا اقرار کر لو، وہ علیؑ جو پیغمبرؐ کے بعد، قریش میں سب سے افضل ہیں۔

جنھیں خداوندِ عالم نے سنوارا، اور ان کا نام وصی رکھا (سچ ہے) کہ ولی، ولی کی پشت پناہی (حفاظت) کرنے والا ہے۔

اور (جو) گمراہ ہے، وہ گمراہ کا تابع فرمان (بنا ہوا) ہے۔

۱۴۳

ایک اور صحابی، زجر بن قیس کے اشعار ملاحظہ فرمایئے۔

فصلی الالہ علی احمد رسول ملیک تمام النعم

رسول الملیک ومن بعدہ خلیفتنا القائم المدعم

علیا عنیت وصی النبی یجادل عنہ غواۃ الامم

(خداوندِ عالم (حضرت) محمد مصطفیٰؐ پر درود نازل فرمائے، جو اللہ کے رسولؐ ہیں، اور جن کے ذریعہ سے نعمتیں تکمیل کو پہونچیں۔

(خداوندِ عالم) حضرت رسولؐ خدا پر دُرود بھیجے، اور انکے بعد، ہمارے قائم و برحق خلیفہ پر۔ میری مراد یہ ہے کہ حضرت علیؑ پر، جو وصیِ رسولؐ ہیں، اور جن کی طرف سے، ہم لوگ، امت کے گمراہ لوگوں سے جہاد کرتے ہیں۔)

۱۴

طُولِ کلام سے بچتے ہوئے ہم آخر میں ایک اور گرامی قدر اسلامی شخصیت جریر بن عبداللہ عبداللہ بجلی کا شعر پیش کر کے اس گفتگو کو اختتام تک پہنچاتے ہیں۔

انہوں نے مولائے کائنات امیرالمومنین علیؑ بن ابی طالبؑ کی توصیف کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

وصی رسول اللہ من دون اھلہ وفارسہ الحامی بہ یضرب المثل

حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ ہی رسولؐ خدا کے وصی ہیں، کوئی اور نہیں، اور وہی انکے مردِ میدان (ان کے سب سے بڑے مددگار) ہیں، جن کی شجاعت، ضرب المثل ہے۔)

(حوالہ کیلئے ملاحظہ فرمایئے

سلسبیلِ فصاحت، شرح نہج البلاغہ ص ۲۰۲ تا ۲۰۴)

عِلمِ خُدا کے ورثہ دار

پروردگارِ عالم نے حضرتِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اُن کے اہلبیتِ طاہرینؑ (حضرات ائمہ معصومین علیہم السلام) کو علم کے اُس منصب پر سرفراز فرمایا ہے جس کا اعتراف اپنوں نے بھی کیا ہے ـــ اور غیروں نے بھی۔

اور جس طرح سے خداوندِ عالم نے حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا ـــ (اور ہم نے (مخصوص طور سے) اپنی جانب سے علم عطا)

اسی طرح ان خاصانِ خدا کو وہ علم عطا کیا گیا ہے، جو کسی اور دروازے سے نہیں مل سکتا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں بھی یہودیوں کے بڑے بڑے علماء آتے تھے اور مختلف مسائل پر آپ سے مباحثے کرتے تھے، جن کا تذکرہ عالمِ اسلام کی مستند اور معروف کتابوں کے اندر موجود ہے۔ (ملاحظہ فرمایئے: احتجاجِ طبرسی)

اور آنحضرت کی رحلت کے بعد مسندِ علم کے ورثہ دار امیرالمومنین حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کے درِ دولت پر اُس زمانہ کے فقہاء و محدثین، علماء و محققین، اصحاب و تابعین، اور منصبِ حکومت پر فائز لوگوں کا اپنے مسائل لے کر آنا، اور امیرالمومنینؑ کا جواب سُن کر ان کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے جانا، تاریخِ اسلامی کی معروف حقیقت ہے ـــ

یہاں تک کہ مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ نے تو سترہ (۱۷) بار یہ جملہ کہا کہ

لَوْلَا عَلِیٌّ لَھَلَکَ... (اگر علیؑ نہ ہوتے تو.... ہلاک ہو جاتا)

اسی طرح مسلمانوں کے امام اعظم جناب ابو حنیفہ نے حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں دو سال تک جو تعلیم حاصل کی۔ اس کا وہ ساری زندگی اعتراف کرتے رہے، اور کہا کرتے تھے کہ:

لَوْلَا السَّنَتَانِ لَھَلَکَ النُّعْمَانُ۔

(اگر وہ دو سال نہ ہوتے، تو نعمان (بن ثابت) ہلاک ہو کر رہ جاتا)

تاریخ کے اوراق پلٹے جائیں تو اندازہ ہوگا کہ ہمارے تمام ائمہ کرامؑ کے علم سے اُن کے دور کے صاحبانِ فکر و دانش اور حکام و سلاطین نے بھی کسبِ فیض کیا ہے۔

اس سلسلے میں مؤرخین نے بہت سے نادر واقعات کا تذکرہ بھی کیا ہے، جن میں سے ہم اختصار کے طور پر چند واقعات درج کرتے ہیں:

ا۔ سبط ابن جوزی: برادرانِ اہلسنت کے نہایت معروف عالمِ دین ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب میں ایک منفرد واقعہ کا تذکرہ کیا ہے۔

یحییٰ بن ھرثمہ کا بیان ہے کہ: متوکل عباسی بیمار ہوا تو اس نے نذر مانی کہ اگر اس بیماری سے صحت یاب ہو گیا۔ تو "درھم کثیرہ" (بہت سے درھم) صدقہ دے گا۔

جب بیماری سے وہ شفایاب ہوا تو اس وقت کے بہت سے فقہا سے اس نے اپنی نذر کے بارے میں سوال کیا (کہ میں نے "درہم کثیرہ" صدقے کے طور پر دینے کی منت مانی تھی۔ مجھ پر کس مقدار میں درہم دینا واجب ہے)؟

جب اُس دَور کے علماء و فقہا کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے، تو اُس نے "دسویں تاجدارِ امامت" فرزندِ رسولؐ حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں کسی کو بھیجا، اور آپؑ سے مسئلہ دریافت کیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ "اسی دینار صدقہ دے۔"

متوکل عباسی نے دریافت کیا کہ: "آپ یہ فتویٰ کس بناء پر دے رہے ہیں؟"

آپ نے فرمایا کہ: (قرآن مجید میں) خداوندِ عالم کا ارشاد ہے:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ

(خداوندِ عالم نے بہت سے مقامات پر تمہاری مدد فرمائی اور (جنگ) حُنین کے دن بھی)

جس طرح اس نے درہم کثیرہ کہا ہے، اسی طرح خداوندِ عالم نے اس آیت میں مواطن کثیرہ فرمایا ہے جس میں حضرت رسولِ خداؐ کے زمانہ کی جنگوں کا تذکرہ ہے۔ اور حضورِ اکرمؐ نے ۲۷ غزوات میں شرکت فرمائی اور ۵۶ سرایا بھیجے (اس طرح اُن لڑائیوں کی مجموعی تعداد ۸۲ ہوئی) اور جنگِ حُنین کا علیحدہ سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس طرح مجموعی تعداد "۸۳" ہوئی۔

حاکمِ وقت کو امام علیہ السلام کے اس استدلال سے حیرت انگیز مسرت ہوئی۔ اس نے آپؑ کی خدمت میں بہت سا مال بھیجا۔

آپؑ نے فرمایا کہ "۸۳" دینار واجب ہیں، اس کے علاوہ جتنا چاہے (مزید) صدقہ دے۔"

(حوالہ کیلئے ملاحظہ فرمائیے "تذکرۃ الخواص" صفحہ ۲۰۳)

(۴)

حضرت امام محمد تقیؑ کے ایک فرزند موسیٰ بن محمد کا بیان ہے کہ :
یحییٰ بن اکثم (قاضی القضاۃ بغداد) سے میری ملاقات "دارالعامہ" میں
ہوئی تو اس نے کئی مسائل مجھ سے دریافت کیے۔
میں وہ مسائل لے کر اپنے بھائی — امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر
ہوا — تو انہوں نے مجھ سے — پند و نصائح سے بھری ہوئی — ایسی گفتگو فرمائی، جس نے
مجھے آپکی اطاعت و فرماں برداری کی طرف (پوری طرح سے) مائل کر دیا۔
میں نے امام علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ :- میری جان آپ پر قربان،
یحییٰ بن اکثم نے ایک تحریر کے ذریعے مجھ سے کئی مسائل کے بارے میں فتویٰ
مانگا ہے۔
یہ سن کر امام علیہ السلام ہنس دیئے — اور فرمایا کہ : کیا تم نے فتویٰ
دے دیا — ؟
میں نے عرض کیا کہ : "میں کچھ جانتا ہی نہیں" تو فتویٰ کیا دیتا۔؟
آپ نے مجھ سے فرمایا کہ : وہ مسائل کیا ہیں۔ ؟
تو میں نے عرض کیا کہ : وہ قرآن مجید کی اس آیت کے بارے میں سوال کر رہا
ہے — جس میں ارشادِ قدرت ہے کہ :

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَہٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ : اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ
طَرْفُکَ۔

(وہ جس کے پاس کتاب خدا کا تھوڑا سا علم تھا اس نے کہا کہ میں اسے
آپ کے پاس لاتا ہوں، قبل اس کے کہ آپ کی پلک جھپکے)
یحییٰ بن اکثم اس آیت کے بارے دریافت کرتا ہے کہ، کیا اللہ کے نبی
(حضرت سلیمان علیہ السلام) آصف (ابن برخیا) کے علم کے محتاج تھے۔ ؟

نیز

(یحییٰ بن اکثم کا ایک اور سوال) قرآن مجید کی اس آیت کے بارے میں ہے جس میں ارشادِ قدرت ہے کہ:

وَرَفَعَ اَبَوَیۡهِ عَلَی الۡعَرۡشِ وَخَرُّوۡا لَهٗ سُجَّدًا۔

(انہوں نے اپنے ماں باپ کو تخت پر بلند کیا۔ اور وہ لوگ اُن کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے)

(سورۂ مبارکۂ یوسفؑ)

یعنی حضرت یعقوبؑ اور ان کے فرزندوں نے یوسفؑ کے لئے سجدہ کیا، حالانکہ وہ دونوں (یعنی حضرت یعقوبؑ بھی نبیؑ تھے۔ اور حضرت یوسفؑ بھی)؟

(موسیٰ نے امامؑ سے یہ بھی عرض کیا کہ: یحییٰ بن اکثم) نے قرآن مجید کی اس آیت کا مطلب بھی پوچھا جس میں ارشادِ قدرت ہے کہ:

اَوۡ یُزَوِّجُهُمۡ ذُکۡرَانًا وَّاِنَاثًا

نیز یہ بھی دریافت کیا کہ وہ کون سا موقع ہے جب اکیلی عورت کی گواہی بھی قرار دی گئی ہے؟

اُس کا ایک سوال یہ بھی ہے کہ جہر سے پڑھنے کا حکم تورات میں پڑھی جانے والی نمازوں (مغرب و عشاء) کے بارے میں ہے، پھر صبح کی نماز جہر کے ساتھ کیوں پڑھی جاتی ہے۔؟

اور اُس نے یہ بھی دریافت کیا ہے کہ: حضرت علیؑ نے اہلِ صفین کے بارے میں حکم دیا تھا کہ چاہے وہ آگے بڑھ رہے ہوں۔ یا پیچھے ہٹ رہے ہوں اُن کو قتل کیا جائے، یہاں تک کہ اُن کے زخمیوں کو بھی ختم کرنے کا آپ نے حکم دیا تھا۔

مگر جب جنگِ جمل کے موقع پر آپ کا حکم تھا کہ جو پیٹھ پھیر کر بھاگے) اُسے قتل نہ کیا جائے، زخمی کو قتل کرنے سے بھی منع فرمایا، نیز یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ جو اپنے گھر میں داخل ہو جائے، وہ امن میں ہے، اور جو ہتھیار ڈال دے، وہ بھی مامون ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ: دونوں جنگوں کے موقع پر احکام و فرامین میں یہ فرق کیوں دکھائی دیتا ہے[1]:

امام علی نقی علیہ السلام نے اُن سوالات کے جوابات جو اپنے بھائی موسیٰ بن محمد کو لکھوائے، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"تم نے قرآن مجید کی آیت: قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ (اُس شخص نے کہا جس کے پاس کتاب کا تھوڑا سا علم تھا) کے بارے میں دریافت کیا ہے — تو یہ جناب آصف برخیا تھے اور انھیں جس بات کا علم تھا، اس سے حضرت سلیمانؑ بے خبر نہیں تھے، بلکہ دراصل وہ چاہتے تھے کہ اُن کی اُمت کے جن و انس کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ آصف بن برخیا اُن کے جانشینِ برحق، اور ان کے بعد بندوں پر حجت ہیں۔

اور وہ بات، حضرت سلیمانؑ کے علم ہی کا ایک حصہ تھی، جو انھوں نے حکمِ خدا سے جناب آصف بن برخیا کو ودیعت فرمایا تھا، اور آصف بن برخیا نے اس کو سمجھ لیا تھا، تاکہ لوگوں کو، ان کی قیادت و رہبری

---

[1] موسیٰ بن محمد نے اس موقع پر امام علیہ السلام کی خدمت میں یحییٰ بن اکثم کے کچھ اور سوالات بھی پیش کئے تھے۔ مگر ہم نے اختصار کے پیش نظر ان ہی پانچ سوالات کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔

میں اختلاف نہ ہو۔

جس طرح حضرت سلیمانؑ نے اپنے والد حضرت داؤدؑ کی زندگی میں اس علم کو سمجھ لیا تھا، تاکہ (جب حضرت داؤد دنیا سے رخصت ہوں تو) حضرت سلیمانؑ کی نبوت و رسالت کو (آسانی سے) پہچان لیا جائے، اور اس طرح مخلوقات پر حجت کی تاکید ہو جائے۔

اب رہا حضرت یعقوبؑ، اور اُن کے فرزندان کا سجدہ (جس کا تذکرہ سورۂ مبارکہ "یوسف" کے آخری حصہ میں آیا ہے) تو وہ سجدہ اللہ کی اطاعت اور حضرت یوسفؑ کی محبت میں تھا، جس طرح فرشتوں کا حضرت آدمؑ کے لئے سجدہ کرنا۔ خود آدمؑ کو سجدہ نہیں تھا، بلکہ وہ بھی اللہ کی اطاعت تھی، اور فرشتوں کی طرف سے حضرت آدمؑ کے لئے محبت کا ایک اظہار تھا۔

حضرت یعقوبؑ اور اُن کے فرزندوں کا سجدہ کرنا بھی دراصل خداوندِ عالم کی بارگاہ میں ایک شکرانہ تھا کہ اُس نے اُن سب لوگوں کو (ایک مدتِ مدید کے بعد) اکٹھا کر دیا۔

یہی وجہ ہے کہ اس موقع پر، خداوندِ عالم کا شکر ادا کرتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا کہ:

رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ

(پالنے والے، تُو نے مجھے سلطنت عطا فرمائی اور مجھے (خواب کی) باتوں کی تاویل کا، علم مرحمت فرمایا)

۶۹

اور یُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا کا مطلب یہ ہے کہ :
"پروردگارِ عالم لوگوں کو جو اولاد عطا فرماتا ہے، وہ مذکر بھی ہوتی ہے اور مؤنث بھی۔

(چونکہ اس آیت میں اُن لوگوں کا بھی ذکر ہے۔۔۔ جو اولاد سے محروم رہتے ہیں اور اُن لوگوں کا بھی ذکر ہے جن کو بیٹے یا بیٹیاں ملی ہیں۔ تو آیت میں چوتھی قسم کا بھی ذکر کردیا گیا کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں، جن کو خداوندِ عالم ذکور بھی عطا فرماتا ہے (یعنی بیٹے) اور اناث بھی (یعنی بیٹیاں بھی دیتا ہے)

اور عربی زبان میں ایسے دُو افراد کو جو ایک دوسرے کے قریں اور ساتھی ہوں زوجین کہا جاتا ہے، جس کی مثالیں قرآن مجید میں مختلف مقامات پر موجود ہیں۔ جیسا کہ سورۂ واقعہ میں ہے کہ: وکنتم ازواجا ثلاثۃ۔

اور وہ عورت ۔۔۔ جس کی اکیلی گواہی کو شریعت میں معتبر قرار دیا گیا ہے، وہ قابلہ (دایہ) ہے، کہ جس کی تنہا گواہی کو کافی سمجھا گیا ہے، بشرطیکہ وہ نیک اور قابلِ اعتبار ہو۔

چنانچہ اگر کوئی نیک اور قابلِ اعتبار قابلہ (دایہ) کسی عورت کے پیٹ کا معائنہ کرکے گواہی دے کہ اس کے شکم میں بچہ ہے یا نہیں، تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔)

رہی یہ بات کہ صبح کی نماز جہر کے ساتھ کیوں پڑھی جاتی ہے (جبکہ جہر کا حکم اندھیرے میں پڑھی جانے والی نمازوں (مغرب و عشاء) کے لئے ہے ۔۔۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ :

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ صبح کی نماز صبح صادق ہوتے ہی (اول وقت) پڑھا کرتے تھے اور اس وقت عام طور سے اندھیرا ہوا کرتا ہے، اب اگر کوئی شخص روشنی ہونے کے بعد صبح کی نماز پڑھے تو اسے بھی جہر کے ساتھ ہی پڑھنی ہے، کیونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشہور فرمان ہے کہ :

صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِي اُصَلِّي

(نماز (اُس طرح) پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو)

اور قرآن مجید میں خالقِ دو جہان کا ارشاد بھی ہے کہ :

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

(تمہارے لئے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں عمدہ نمونہ (عمل) موجود ہے)

جہاں تک جنگِ جمل اور جنگِ صفین کے موقع پر حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے احکام و فرامین کا تعلق ہے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ: مردوں میں سے جو شخص) اہلِ جمل کی قیادت کر رہا تھا وہ تو قتل ہو چکا تھا اور بڑی بی میدان چھوڑ چکی تھیں، جس کے بعد) ان لوگوں کا کوئی ایسا گروہ اور جتھہ باقی نہیں رہا تھا کہ جس کے پاس وہ لوگ پلٹ کر تازہ دَم ہونے کے لئے جاتے، بلکہ ان لوگوں کی کمر ٹوٹ چکی تھی، جس کی وجہ سے) وہ لوگ اپنے گھروں کی طرف بھاگ گئے. وہ لوگ نہ اب جنگ کے قابل رہ گئے تھے، نہ ... ان کی طرف سے اعلانِ جنگ باقی تھا، بلکہ وہ سب اس بات کے خواہشمند تھے کہ جنگ روک دی جائے اس لئے آپ کا حکم یہ تھا کہ ان لوگوں سے تلوار اٹھالی جائے، کیونکہ فتنہ کا سدِباب ہو چکا تھا، سرکش لوگ واصلِ جہنم اور بڑی بی میدان سے جا چکی تھیں، اور جو لوگ کسی غلط فہمی

کی بنا پر شریک تھے، یا غفلت میں زوجہ رسولؐ کا ساتھ دیتے ہوئے چلے آئے تھے، اب وہ اپنے زخم چاٹ رہے تھے۔ اور اپنے کرتوت پر شرمندہ تھے۔

اس کے برعکس اہلِ صفین کا حال یہ تھا کہ جو میدان چھوڑتے تھے وہ یہاں سے بھاگ کر ایک مستعد اور تیار دستے کے پاس پہنچ جاتے تھے اور اپنے اُس لیڈر کے پاس جاتے تھے جو اُن لوگوں کو ہتھیار، زرہ، نیزے اور تلواریں دوبارہ مہیا کرتا تھا، اُن کے انعام واکرام میں اضافہ کرتا تھا۔ اُن کی پذیرائی کرتا تھا، اُن کے بیماروں کی عیادت کرتا تھا، زخمیوں کی مرہم پٹی، ٹوٹی پھوٹی ہڈیوں کو جوڑنے کا بندوبست کرتا تھا، پیادہ لوگوں کو سواری فراہم کرتا تھا، جس کا لباس بوسیدہ ہو چکا ہوتا، اسے لباس دیتا تھا۔ اور اس طرح وہ لوگ تازہ دم ہو کر دوبارہ میدانِ جنگ کی طرف لوٹتے تھے (اور پھر سے فتنہ گری کرتے تھے)

اور چونکہ امیرالمومنین حضرت علیؑ بن ابیطالب علیہ السلام کے پیش نظر فتنہ وفساد کی سرکوبی تھی، اس لئے وہ شامی، جو مسلسل فتنہ وفساد پر آمادہ تھے، ہر طرف قتل و غارت گری پھیلا رہے تھے، امن وعامہ کو برباد کر رہے تھے، اہلِ ایمان پر عرصۂ حیات تنگ کر رہے تھے، اور زمین کو برائیوں کی آماجگاہ بنا رہے تھے، آپؑ نے اُن کی سرکوبی کا حکم دیا۔

جیسا کہ قرآن مجید کا واضح حکم ہے کہ:

"دشمنانِ دینؑ سے اُس وقت تک جنگ کرو کہ فتنہ وفساد ختم ہو جائے۔"

اس لئے اہلِ شام جو مسلسل فتنہ انگیزی پر کمربستہ تھے، جنابِ امیرؑ نے انکی سرکوبی کا حکم صادر فرمایا۔

اور حضرت امیرالمومنین علیؑ بن ابی طالب علیہ السلام کے نافذ کردہ اس

حقیقت کو بھی واضح کر دیا کہ:

"جو قرآنِ صامت کہتا ہے۔

وہی قرآنِ ناطق کا فرمان ہے۔

اور کیوں نہ ہو۔ جبکہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی حیاتِ طیبہ

میں یہ ارشاد فرما چکے ہیں کہ:

عَلِیٌّ مَعَ الْقُرْآنِ، وَالْقُرْآنُ مَعَ عَلِیٍّ

(علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے۔

امام وقتؑ
ظاہر کو بھی جانتے ہیں باطن کو بھی

جن ہستیوں کو پروردگارِ عالم نے ہدایت بشر کا ضامن بنایا ہے، انھیں خصوصی علم سے سرفراز فرما کر دنیا میں بھیجا ہے۔

اس لئے یہ ہستیاں، اشیاء کے حقائق سے مکمل طور پر باخبر ہوتی ہیں۔

لوگ ظاہری حالات کو دیکھتے ہوئے انتہائی پریشانی کی حالت میں ان کی خدمت میں حاضر ہوں، لیکن چونکہ وہ خاصانِ خدا حقائقِ اشیاء سے واقف ہوتے ہیں، اس لئے خود بھی کمالِ اطمینان کی منزل پر فائز ہوتے ہیں، اور اپنے چاہنے والوں کو بھی اطمینان کی دولت سے مالامال رکھتے ہیں۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے بارے میں بھی اربابِ تاریخ نے اس سلسلہ میں متعدد واقعات کا ذکر کیا ہے۔

چنانچہ کتاب "امالی" ابن شیخ میں منصوری، اور امامؑ وقت کے خدمت گار "کافور" سے منقول ہے کہ:

سامرا میں یونس نقاش نامی شخص، حضرت امام علی نقیؑ کے ہمسائے میں رہتا تھا، اور اکثر آپ کی خدمت میں حاضری دیا کرتا تھا۔

ایک روز امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو خوف سے کانپ رہا تھا، کہنے لگا کہ:

"اے میرے آقا میرے سید و سردار۔ میں اپنے اہل و عیال کے بارے میں آپ کو وصیت کرتا ہوں (میرے دنیا سے جانے کے بعد) آپ ہی اُن کی عمدہ خبر گیری فرمایئے گا۔

امام علیہ السلام نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ:

"کیا بات ہے؟ (اس وقت وصیت کی ضرورت کیوں پیش آئی)۔

اس نے کہا کہ موسیٰ بن لغا (جو متوکل کے اعیانِ سلطنت میں سے ہے) اس نے مجھے ایک انتہائی بیش قیمت نگینہ دیا تھا کہ میں اُس پر نقاشی کر دوں۔ وہ نگینہ اسقدر عمدہ اور خوشنما تھا کہ اُس کی قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ہے۔

میں اس نگینہ پر نقاشی کرنے بیٹھا، تو وہ مجھ سے ٹوٹ گیا، اور اس کے دو حصے ہو گئے۔ کل کا دن وہ ہے جب مجھے حسبِ وعدہ نقاشی کر کے اُسے پیش کرنا تھا۔ موسیٰ بن لغا کو جب پتہ چلے گا کہ اس کا نگینہ دو ٹکڑے ہو چکا ہے تو وہ مجھے ایک ہزار تازیانے مارے گا، یا پھر قتل ہی کرا دے گا۔

امام علیہ السلام نے یونس نقاش سے فرمایا کہ (وعدہ کا دن تو کل ہے) ابھی گھر جاؤ کل آنے دو انشاء اللہ بھلائی کے سوا کچھ نہیں دیکھو گے۔

اگلی صبح، یونس نقاش نے امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضری، اور عرض کیا کہ موسیٰ کا آدمی مجھے بلانے کیلئے آچکا ہے (اب کیا کروں)؟

امامؑ نے فرمایا کہ: جاؤ۔ وہاں سوائے بھلائی کے تمہیں کسی اور بات سے واسطہ نہیں پڑے گا۔

اُس نے امامؑ سے عرض کیا کہ: "میں اس وقت اس کے پاس جاؤں تو اس سے کیا کہوں؟

امامؑ نے فرمایا کہ: تم بس اس کے پاس جاؤ۔ دیکھو، وہ تم سے کیا کہتا ہے....

چنانچہ یونس نقاش روانہ ہوگیا' اور تھوڑی دیر بعد ہی نہایت خوش و خرم واپس آیا، اور امامؑ کو اپنی روداد سناتے ہوئے کہا کہ۔

"اے میرے آقا۔ جب میں وہاں پہنچا تو موسیٰ بن بغا نے مجھ سے کہا کہ :

"اس نگینہ کے بارے میں میری "لڑکیوں" کے درمیان جھگڑا چل رہا ہے' دونوں اس نگینے کے لئے مچل رہی ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ تم اس نگینے کے دو ٹکڑے کر دو، تا کہ ان لوگوں کا جھگڑا ختم ہو۔؟

امام علیہ السلام یونس نقاش کی گفتگو سن کر شکرِ خدا بجا لائے۔ اور اس سے فرمایا کہ :

"تم نے موسیٰ کو کیا جواب دیا ؟

اس نے کہا کہ : میں نے اس سے کہا ہے کہ "مجھے تھوڑا موقع دو، تا کہ میں اس پر غور کروں۔

امامؑ نے فرمایا کہ : "تم نے بہت مناسب جواب دیا۔

(۴)

آیئے! اس سلسلہ کے ایک اور واقعہ پر غور کریں' جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسان اگر دعا مانگ رہا ہو تو امامؑ اس دعا سے باخبر ہوتے ہیں۔

قطب راوندی کا بیان ہے کہ : اصفہان کے لوگوں کا بیان کیا ہے کہ :

ایک شخص ــــ جس کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ اس نے اپنا پرانا مسلک چھوڑ کر شیعہ مذہب اختیار کیا ــــــــ تو۔

لوگوں نے اس سے پوچھا کہ ، تم کیونکر اس مذہب میں داخل ہوئے' اور امام علی نقیؑ کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گئے۔؟

اس نے کہا کہ اس معجزہ کی بناء پر جس کا میں نے خود مشاہدہ کیا ہے۔
اس کی تفصیل یہ ہے کہ :

" میں انتہائی تنگدست انسان تھا، کچھ بھی تو میرے پاس نہ تھا البتہ زبان کی طلاقت اور جراءت و ہمت کی دولت سے مالا مال تھا۔

متوکل عباسی کا زمانہ تھا، اس کی طرف سے جو حکمران یہاں مقرر تھا اس کے مظالم کے سلسلے میں فریاد کرنے کے لئے اصفہان کے لوگوں نے ایک وفد تشکیل دیا، اور مجھے چونکہ گفتگو کا ملکہ حاصل تھا اس لئے ان لوگوں نے مجھے بھی اس وفد میں شامل کر دیا، اور ہم لوگ متوکل سے ملاقات کے لئے یہاں سے روانہ ہو گئے۔

اتفاق سے جس دن ہم لوگ متوکل کے دربار میں حاضر ہونے والے تھے اسی دن امام نقی علیہ السلام کو وہاں لایا جا رہا تھا۔

میں نے وہاں موجود ایک آدمی پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں، جن کو متوکل کے پاس لایا جا رہا ہے۔ ؟

اس نے کہا کہ "یہ امام علی رضاؑ کے پوتے ہیں، شیعہ ان کو اپنا امام کہتے ہیں۔
پھر کہنے لگا کہ :

" اس وقت جو ان کو یہاں لایا جا رہا ہے، اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ متوکل (جو خاندانِ اہلبیتؑ کا دشمن ہے) انھیں قتل کرنا چاہتا ہے۔

(عبدالرحمن کہتا ہے کہ) یہ بات سن کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ : اب جب تک وہ صاحب تشریف نہ لائیں اور میں انھیں دیکھ نہ لوں یہاں سے نہیں ہلوں گا۔

اچانک امامؑ اپنی سواری پر نمودار ہوئے، اور میں نے دیکھا کہ تمام لوگ ان کے احترام میں راستے کے دونوں طرف صف بستہ کھڑے ہو کر ان کو دیکھنے لگے۔

جب میری نگاہ ان کے چہرہ اقدس پر پڑی تو خود بخود میرے دل میں ان کیلئے

الفت و محبت پیدا ہو گئی، اور میں نے یہ دُعا کرنی شروع کر دی کہ خداوندِ عالم ان کو متوکل کے شر سے محفوظ رکھے۔

امام علیہ السلام اپنی سواری پر چلے آ رہے تھے۔ کسی کو دیکھ نہیں رہے تھے، آپ کی نگاہ مستقل اپنی سواری پر تھی، یہاں تک کہ وہ بالکل میرے قریب پہنچ گئے، اور میں مسلسل اُن کے بارے میں دُعا مانگ رہا تھا۔

جب وہ میرے نزدیک پہونچے تو میری طرف رُخ کر کے فرمایا کہ:

"خداوندِ عالم تمہاری دعا قبول کرے، تمہیں طویل زندگی عطا کرے، اور تمہیں خوب مال و اولاد سے سرفراز فرمائے۔"

میں نے آپ کی زبان مبارک سے یہ باتیں سنیں، تو مجھ پر عجیب سی ہیبت طاری ہوئی کہ میں چکرا کر اپنے ساتھیوں کے درمیان ہی گر پڑا۔

اُن لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ: تمہیں کیا ہوا۔۔۔؟

لیکن میں نے اپنی حالت کسی پر عیاں نہ ہونے دی۔ بس اتنا کہا کہ "کچھ نہیں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔۔۔"

پھر جب میں اصفہان واپس آیا تو خداوندِ عالم نے مجھے بہت ساری دولت سے نوازا، مجھے دس عدد اولاد عطا فرمائی۔۔۔ اور میری عمر بھی ستر (۷۰) سے تجاوز کر چکی ہے۔

(تم لوگ مجھ سے دریافت کرتے ہو کہ میں نے شیعہ مذہب کیسے اختیار کیا۔؟ اور امام علی نقیؑ کے عقیدت مندوں میں کیسے شامل ہوا، تو سنو کہ)،

"میں اُن کی امامت کا عقیدہ رکھتا ہوں۔ جنھوں نے میرے دل کے حالات سے مجھے باخبر کیا۔۔۔ اور جن کی دعا کی برکت سے (مجھے یہ سب کچھ نصیب ہوا)۔

شیخ مفید علیہ الرحمہ اور دیگر حضرات نے خیران اسباطی سے نقل کیا ہے۔۔۔ وہ کہتے ہیں کہ: "میں بغداد سے روانہ ہو کر، مدینہ منورہ پہنچا، اور امام علی نقیؑ کی خدمت

میں حاضر ہوا، تو آپ نے واثق باللہ (عباسی حکمراں) کے بارے میں گفتگو فرمائی کہ وہ کیسا ہے۔؟

میں نے کہا کہ دس روز پہلے اس سے ملاقات کی تھی، بالکل تندرست و توانا تھا۔

امام نے فرمایا کہ ... کہتے ہیں کہ وہ مرگیا۔

میں نے عرض کیا کہ یہاں جتنے بھی لوگ ہیں، سب سے آخر میں اس سے میری ملاقات ہوئی ہے، اور اس کے حالات کے بارے میں، دوسرے لوگوں کی بہ نسبت میرے پاس زیادہ اطلاع ہے۔

امام نے فرمایا کہ: لوگ کہتے ہیں کہ وہ مرگیا۔!

جب امام علیہ السلام نے یہ جملہ فرمایا تو میں سمجھ گیا کہ امامؑ اگرچہ لفظ "لوگ" استعمال کر رہے ہیں، لیکن درحقیقت آپ اپنے علم کے مطابق فرما رہے ہیں۔

پھر آپ نے جعفر متوکل کے بارے میں گفتگو فرمائی کہ: اس نے کیا کیا؟

تو میں نے کہا کہ: قید خانہ کے اندر بہت بری حالت میں پڑا تھا۔!

امامؑ نے فرمایا کہ: "اب وہی خلیفہ (وقت) ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا کہ: "ابن زیات کیا کر رہا تھا۔؟

میں نے عرض کیا کہ: لوگوں کے معاملات اسی کے اختیار میں تھے، اور اسی کی فرماں روائی چل رہی تھی۔

آپ نے فرمایا کہ ریاست اس کے لئے باعث نحوست بنے گی۔

اس کے بعد امامؑ تھوڑی دیر خاموش رہے پھر فرمایا کہ "تقدیر الٰہی کے فیصلے جاری نافذ ہو کر ہی رہتے ہیں۔

"اے خیران۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ واثق باللہ کا انتقال ہو چکا ہے اور جعفر متوکل حاکم وقت بن چکا ہے، اور ابن زیات قتل کر دیا گیا ہے۔

میں نے پوچھا: مولا! یہ واقعات کب پیش آئے؟
فرمایا کہ: وہاں سے تمہارے نکلنے کے چھ دن بعد

شیخ عباس قمیؒ نے لکھا ہے کہ: واثق ہارون بن معتصم بنی عباس کا نواں خلیفہ تھا۔ اور جعفر متوکل اس کا بھائی تھا جو اس کے مرنے کے بعد حاکم بنا اور ابن زیات محمد بن عبدالملک مشہور و معروف شخصیت ہے جو معتصم، اور واثق کے عہدے پر فائز تھا لیکن جب خلافت و حکومت پر متوکل کا قبضہ ہوا تو اس نے ابن زیات کو قتل کر دیا۔
(منتہی الآمال ۲: ۳۲۴، ۳۰، ۳۲)

(۴)

شیخ طبرسی علیہ الرحمہ کے بیان کردہ مندرجہ ذیل واقعہ سے بھی واضح ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام کے حالات سے باخبر تھے۔

ابوالحسن سہل بن سعید بصری کی روایت ہے کہ: جعفر بن قاسم ہاشمی بصری مسئلہ امامت میں توقف کئے ہوئے تھے (امامِ وقت کے بارے میں ابھی شرح صدر کی منزل تک نہیں پہنچے تھے)

سامراء میں ان کے ساتھ ہی تھا کہ اچانک دورانِ راہ امام علی نقیؑ نے ان کو دیکھا اور فرمایا کہ:

"کب تک خواب میں رہو گے؟ کیا ابھی تک وقت نہیں آیا ہے کہ تم اپنے خواب سے بیدار ہو جاؤ۔؟"

(جب امام علیہ السلام آگے بڑھ گئے تو جعفر نے مجھ سے کہا کہ:

"امامؑ نے جو کچھ فرمایا، تم نے سنا۔؟ — ان کی بات نے میرے دل پر اثر کیا ہے!

اس واقعہ کے چند روز بعد شہر میں ' ایک بہت بڑی دعوت ولیمہ تھی جس میں مجھے بھی جانا تھا ' اور حضرت امام علی النقیؑ بھی تشریف لانے والے تھے ۔

جب امام وہاں پہنچے ' تو آپ کے احترام میں سارا مجمع خاموش ہو گیا ' صرف ایک جوان ایسا تھا جو کچھ بک بک کر رہا تھا ۔

امام نے اس سے فرمایا کہ … تم (ابھی تک) ذکر خدا سے غافل ہو ' حالانکہ تین دن کے بعد تم قبر کے اندر ہو گے ! ۔ راوی کہتا ہے کہ ۔

میں نے سوچا کہ امام علیہ السلام کی زبان سے ادا ہونے والا یہ جملہ میرے لئے رہنما بن سکتا ہے ' کیونکہ امام نے فرمایا ہے کہ تین کے بعد یہ جوان مر جائے گا ' اب اگر واقعاً ایسا ہوا تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ جو کچھ آپ فرماتے ہیں وہ حکم خدا سے فرماتے ہیں ۔

ادھر اس جوان نے امامؑ کی گفتگو سننے کے بعد کوئی بات نہیں کی ۔

ہم سب لوگوں نے کھانا کھایا اور وہاں سے روانہ ہو گئے ۔

اگلے روز اطلاع ملی کہ وہ جوان بیمار ہو چکا ہے ۔ اور جب تیسری صبح نمودار ہوئی تو وہ دنیا سے رخصت ہو چکا تھا ۔ اور اسی دن شام تک وہ قبر کے سپرد کیا جا چکا تھا ۔

سعید کہتے ہیں کہ : سامراء میں قیام کے دوران ' میں ایک اور شادی کے ولیمہ میں شریک ہوا جس میں امامؑ بھی تشریف فرما تھے ۔ وہاں بھی سب لوگ امام کا احترام کرتے نظر آئے ' صرف ایک شخص ایسا تھا جس نے امامؑ کے ادب و احترام کو ملحوظ نہیں رکھا ' اور لوگوں سے ہنسی مذاق میں لگا ہوا تھا ۔

امام علیہ السلام نے جعفر کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ :

" دیکھنا ' یہ شخص (جو تمسخر میں لگا ہوا ہے) کھانا بھی نہ کھا سکے گا اور عنقریب

اسے ایک ایسی بات بتائی جائے گی جو اس کی زندگی کو ناخوشگوار بنا دے گی۔

امامؑ نے یہ جملے فرماتے ہی تھے کہ کھانا لگ گیا، اور وہ شخص (جس کے بارے میں امامؑ نے فرمایا تھا کہ وہ کھانا بھی نہ کھا سکے گا) اپنی جگہ سے اٹھا، کھانا کھانے کے لئے ہاتھ دھو کر آیا، اور اب کھانے کی طرف بڑھنا ہی چاہ رہا تھا کہ:

اچانک اس کا غلامؑ اس کے گھر سے روتا ہوا آیا، اور اس سے کہا کہ:

جلد از جلد گھر پہنچئے، آپ کی ماں گھر کی چھت سے گر پڑی ہیں، اور جانکنی کی حالت میں ہیں۔

چنانچہ وہ شخص کھانا کھائے بغیر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

جعفر نے ان واقعات کا مشاہدہ کرنے کے بعد اعلان کیا کہ:

خدا کی قسم اب میں توقف پر قائم نہیں رہوں گا۔ اور اس گروہ سے نکل کر امامؑ کی امامت کا عقیدہ رکھنے والوں میں شامل ہو گئے۔

مندرجہ ذیل واقعہ سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو شخص امامؑ کی خدمت میں جس ارادہ سے حاضر ہوا، امامؑ کو اس کی خبر ہو جاتی ہے، اور وہ سوال کرنے والے کی زبان کھولنے سے قبل ہی اُس کے مدعا سے واقف بھی ہوتے ہیں اور سوال پورا بھی کر دیتے ہیں۔

شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے "امالی" میں ابو ہاشم جعفری کی روایت نقل کی ہے۔ وہ وہ کہتے ہیں کہ:

"جب فقر و تنگدستی نے مجھے پریشان کر دیا، تو میں امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے گھر سے روانہ ہوا۔

جب امامؑ کے بیت الشرف میں باریابی کی اجازت ملی تو میں آپ کے پاس پہنچا اور آپ کے قریب بیٹھا ہی تھا کہ امامؑ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا :

"اے ابوہاشم — تم کو خداوند عالم نے جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان میں سے کسی نعمت کا تم (صحیح معنوں میں) شکر ادا کر سکتے ہو — ؟

ابوہاشم کہتے ہیں کہ : مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کیا جواب عرض کروں

چنانچہ امام علیہ السلام نے مزید فرمایا :

(خداوند عالم نے) تمہیں ایمان کی نعمت سے نوازا جس کے ذریعہ تمہارے جسم کو آتشِ جہنم پر حرام قرار دیا — !

تمہیں عافیت عطا کی' تاکہ اس کے ذریعہ اطاعت و فرماں برداری کے لئے تمہیں مدد پہونچائے۔

اور تمہیں قناعت جیسی دولت عطا کی' جس کے ذریعہ تمہاری آبرو کی حفاظت کا سامان کیا — !

اے ابوہاشم — میں نے ان باتوں کی' تمہارے سامنے اس لئے ابتداء کر دی کہ میرا خیال ہے کہ تم میرے سامنے اُس پروردگار کی (گویا) شکایت کرنے والے تھے[1] جس نے تمہیں یہ ساری نعمتیں عطا کی ہیں — اس لئے میں نے خود ہی گفتگو شروع کر دی تاکہ تم اُس کا شکوہ نہ کرو)

اور میں نے تمہارے لئے سو دینار خالص سونے کا حکم دے دیا ہے' اسے لے لو اور اپنی ضروریات پر خرچ کرو۔

---

[1] اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ بندۂ مومن اگر کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرتا ہے تو گویا وہ منعمِ حقیقی کے خلاف اپنی شکایت زبان پر لاتا ہے۔

محدثِ خبیر آقائے شیخ عباس قمی نے اس واقعے کا تذکرہ کرنے کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ:

اس مبارک حدیث سے یہ استفادہ بھی ہوتا ہے کہ:

اللہ نے اپنے بندوں کو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان میں سب سے افضل اور سب سے عظیم نعمت: ایمان ہے۔ کیونکہ تمام اعمال کی قبولیت کا دارومدار ایمان پر ہے۔

جیساکہ بحار الانوار میں فرمانِ معصومؑ ہے کہ:

وَاِنَّہٗ مِنْ اَعْظَمِ النِّعَمِ، فَاسْئَلِ اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَنْ یُّثَبِّتَ الْاِیْمَانَ فِیْ قُلُوْبِنَا...

(اور یہ کہ وہ سب سے عظیم نعمت ہے، لہٰذا خداوندِ عالم سے درخواست کرو کہ ایمان ہمارے دلوں میں ثابت اور راسخ (رہے)۔

اور ایمان کے بعد عافیت ایک عظیم نعمت ہے، چنانچہ ارشاد ہوا کہ:

فَاسْئَلِ اللّٰہَ تَعَالٰی الْعَافِیَۃَ، عَافِیَۃَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔

(تو خداوندِ عالم سے عافیت کا سوال کرو، دنیا کی بھی عافیت اور آخرت کی بھی)

(منتہی الآمال ۲، ۴۷۲)

● ۔ ابو ہاشم جعفری اپنی تنگ دستی سے پریشان ہوکر امامؑ کی خدمت میں عرض مدعا کرنے آئے تھے۔ لیکن چونکہ امام علیہ السلام ان کے دل کی بات سے آگاہ تھے، اس لئے اُن کے گفتگو کرنے سے قبل ہی آپ نے ان کے آنے کی غرض بھی بیان کردی، اور ان کی حاجت بھی پوری کردی۔

● ۔ امامؑ نے ابو ہاشم کو توجہ دلائی کہ: اللہ کے احسانات بندے پر اتنے زیادہ

ہیں کہ نہ وہ ان احسانات کو گن سکتا ہے، اور نہ صحیح معنوں میں ان کا شکر ادا کر سکتا ہے۔

● البتہ یہ بات بھی مدِنظر رکھنے کی ہے کہ جو نعمتیں کسی مومن کو اللہ کی طرف سے عطا ہوئی ہیں، اُن میں سب سے عظیم درجہ ایمان کا ہے، اور اس کے بعد عافیت کا، لہٰذا ایمان کی سلامتی، اور عافیت کے برقرار رہنے کی دُعا مانگتے رہنا چاہیے۔

● دعا مانگتے وقت، دنیاوی معاملات کے بارے میں عرض مدعا کرنے کے ساتھ آخرت کی بہتری کی ضرور دُعا مانگنی چاہیے۔

امام کا لشکر

قرآن مجید میں خالقِ دوجہاں کا ارشاد ہے کہ:

وَلِلّٰهِ جُنُودُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

(آسمانوں اور زمین کے (سارے) لشکر اللہ ہی کے ہیں)

(سورۃ الفتح آیت ۴)

جس کے بارے میں برادرانِ اہلسنت نے بھی اعتراف کیا ہے کہ:

"آسمان و زمین کے فرشتے، اور اسی طرح دیگر ذی قوت و شوکت لشکر سب اللہ کے تابع ہیں، اور اُن سے جس طرح چاہتا ہے کام لیتا ہے۔"

(ترجمہ و حواشی قرآن مجید، مدینہ منورہ، صفحہ ۱۴۴۳)

ایک اور مشہور مفسر نے لکھا ہے کہ:

"مطلب یہ ہے کہ: اللہ کے پاس تو ایسے لشکر ہیں جن سے وہ کفار کو جب چاہے تہس نہس کر دے، مگر اس نے کچھ جان کر، اور حکمت ہی کی بناء پر" (اسے نگاہوں سے مخفی رکھا ہے)

اور جب اسکی حکمت و مصلحت ہوئی، تو اس نے اپنے دین کی مدد و نصرت کیلئے فرشتوں کو، فوجی لشکر کی صورت میں، میدانِ جنگ میں اتار بھی دیا، اور انہوں نے کفار کی طاقت کا قلع قمع بھی کیا۔

اور جنگ کے علاوہ بھی حضورِ اکرم کی مدد و نصرت خداوندِ عالم نے ایسے

لشکروں کے ذریعہ سے فرمائی، جو لوگوں کو نظر نہیں آتے تھے۔

جیسا کہ حضور اکرمؐ کی ہجرت کے موقع پر خداوند عالم نے آپ کی مدد ایسے لشکروں سے کی، جو عام لوگوں کو دکھائی نہیں دیتے۔

جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَمْ تَرَوْهَا۔

(جب وہ دونوں غار میں تھے، جبکہ حضور اکرمؐ اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے کہ: غمزدہ نہ ہو، بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو اللہ نے اپنی طرف سے اُن پر سکون نازل کیا، اور اُن کی مدد ایسے لشکروں سے کی جن کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا)

(ملاحظہ فرمائیے سورۃ الاحزاب آیت ۹)

اور جنگ بدر کے موقع پر حضور اکرمؐ۔ اور اہلِ ایمان کی مدد کے لئے فرشتوں کے اُترنے اور میدانِ کارزار میں اہلِ ایمان کی مدد کرنے کا تذکرہ تو اکثر مورخین و مفسرین نے کیا ہے، جس کے بارے میں ارشادِ قدرت ہے کہ:

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ۔

(جب تم لوگ اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے تو اُس نے تمہاری دعا قبول کی (اور فرمایا کہ)

"میں تم لوگوں کی مدد ایک ہزار فرشتوں سے کرتا ہوں — جو لگاتار تمہاری طرف آئیں گے۔

(سورۃ مبارکہ انفال آیت ۹)

اور اس جنگ میں خداوند عالم نے اہلِ ایمان کی مدد کے لئے پہلے ایک ہزار فرشتے بھیجے، جو لگاتار اترتے رہے ـــ پھر تین ہزار کا لشکر بھیجا۔

جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے۔

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ۔

(اے پیغمبرؐ) جب آپ مومنین سے یہ کہہ رہے کہ کیا تمہارے لئے کافی نہیں ہے کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے جو (تمہارے لئے آمارے جائیں)

(سورۂ مبارکہ آلِ عمران: آیت ۱۲۴)

بلکہ اسی کے ساتھ یہ وعدہ بھی فرمادیا کہ اگر کفار و مشرکین، پورے جوش و خروش کے ساتھ تم پر حملہ آور ہو جائیں، لیکن تم صبر و استقامت کے ساتھ میدان جنگ میں ڈٹے رہو، تو پروردگار عالم تمہاری مدد کے لئے ایسے پانچ ہزار فرشتے نازل کرے گا۔ جو نشان والے ہوں گے۔

جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

بَلَىٰ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ

(کیوں نہیں :ـــ اگر تم لوگ صبر سے کام لو (ثابت قدم رہو) اور پرہیزگاری اختیار کرو، اور یہ کفار اسی وقت تم پر (چڑھ کر) آجائیں تو تمہارا پروردگار، ایسے پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا جن پر نشان لگے ہوں گے) (سورۂ آلِ عمران: آیت ۱۲۵)

ان آیات سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ پروردگار عالم کی طرف سے کچھ مخصوص لشکر اس کے نمائندے اور ان کے چاہنے والوں کی مدد و نصرت کے لئے آتے رہے ہیں۔ تو کیا تعجب ہے کہ مستقبل میں بھی اگر الٰہی نمائندے کو ضرورت پڑے تو خداوند عالم اُن کی مدد و نصرت کے لئے ایسے لشکر بھیج دے، جو عام انسانوں کی نگاہوں سے مخفی ہوں!!

حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے ایسے ہی لشکروں کا اُس عباسی حکمران کو مشاہدہ بھی کرا دیا، جو اپنے فوجیوں کی بڑی تعداد دکھا کر گویا امام کو مرعوب کرنا چاہتا تھا۔
لیکن امام نے واضح کر دیا کہ:
"ہم لوگ بے اختیار نہیں ہیں، بلکہ اللہ کی طرف سے ہماری مدد و نصرت کے لئے فرشتے مقرر ہیں۔ البتہ شیطانی لشکروں کو ایک "وقت مقررہ" تک کی مہلت دی گئی ہے، جس کے بعد صرف اللہ کے لشکروں کی حکمرانی ہوگی۔

قطب راوندی کا بیان ہے کہ:
سامرا میں جو ترکوں کے ۹۰ ہزار فوجیوں پر مشتمل لشکر تھا، اس کو عباسی حکمران نے حکم دیا کہ پورے زیب و زینت کے ساتھ، سب لوگ ایک وسیع و عریض میدان میں جمع ہو جائیں۔ اور اپنے اسلحوں کی بھرپور طریقے سے نمائش کریں۔
پھر اُس نے حضرت امام علی نقی علیہ السلام کو وہاں تشریف لانے کی زحمت دی۔
جب امام علیہ السلام تشریف لائے تو عباسی حکمران نے آپ سے کہا کہ:

"میں نے آپ کو یہاں آنے کی اس لئے دعوت دی ہے تاکہ آپ میرے لشکر کا مشاہدہ کرلیں۔"

گویا وہ امام کو مرعوب کرنا چاہ رہا تھا، اور یہ ظاہر کر رہا تھا کہ اگر آپ کے اہل خاندان یا چاہنے والوں میں سے کسی کو اقتدار و حکومت کی طمع ہو تو اپنے دل سے نکال دے۔

کیونکہ اگر کسی نے ایسا اقدام کیا تو اسے یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمارے پاس اس قدر شان و شوکت رکھنے والی افواج بھی ہیں۔ اور زبردست اسلحے بھی۔

یہ سُن کر امام علیہ السلام نے فرمایا کہ:

تم چاہتے ہو تو میں بھی تمہیں اپنے لشکر کا مشاھدہ کرادیتا ہوں؟

اُس نے کہا: "جی ہاں۔ (دکھادیجیئے)!

جس کے بعد امام علیہ السلام نے بارگاہِ معبود میں دستِ دُعا بلند کردیئے، اور دعا مانگنے کے بعد اس عباسی حکمرانؑ سے فرمایا کہ:

(ذرا نگاہ اٹھاکر) دیکھو۔

اب جو اس نے نگاہ اٹھائی تو اس نے دیکھا کہ آسمان و زمین کے درمیان مشرق سے مغرب تک ہر طرف فرشتوں کے لشکر ہیں جو سب کے سب بہت عمدہ اسلحوں سے آراستہ ہیں۔

اس عباسی حکمرانؑ نے، جو یہ لشکرِ جرار دیکھا تو اس پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ خوف کے مارے بے ہوش ہوکر زمین پر گر پڑا۔

جب ہوش آیا تو امام علیہ السلام نے اس سے ارشاد فرمایا کہ:

"ہم لوگ آخرت کے معاملے میں مصروف ہیں، اور تمہاری دنیا سے ہمیں کوئی سروکار نہیں ہے۔ اور تم جس گمان میں ہو اُسے دل سے نکال دو، اور اطمینان رکھو،

اور اگر تمہارے دل میں یہ گمان ہو کہ شاید میں تمہارے خلاف خروج کروں گا، اور لوگوں کو ورغلاؤں گا یا تم سے برسر پیکار ہو کر تخت و تاج چھین لوں گا، تو یاد رکھو کہ ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔

بنی امیہ ہوں یا بنی عباس، یا دوسرے حکام جور، چونکہ ان لوگوں نے دھونس، دھاندلی، چھینا جھپٹی، اور دوسرے مذموم ہتھکنڈوں سے حکومت و اقتدار پر قبضہ کیا تھا اس لئے انھیں ہر وقت یہ اندیشہ لاحق رہتا تھا کہ جن پاک و پاکیزہ ہستیوں کے حق کو پامال کر کے ہم نے مسندِ اختیار سنبھالی ہے، کہیں وہ، اور اُن کے چاہنے والے بزور بازو، اس تخت و اقتدار کو ہم سے چھین نہ لیں۔

اس لئے وہ ہر دور میں ایسی اوچھی حرکتیں کرتے رہتے تھے۔ اور الٰہی نمائندوں کو مرعوب کرنے کے لئے اس قسم کے گوناگوں طریقے استعمال کرتے رہتے تھے۔

جبکہ ان ہادیانِ برحق نے ہدایتِ بشر کی ذمہ داریوں کو اپنا نصب العین بنا رکھا تھا۔ ان لوگوں کو نہ سیم و زر کی طلب تھی نہ حکومت و اقتدار کا لالچ۔

اور ان پاک و پاکیزہ ہستیوں نے کسی بھی دور میں اپنے چاہنے والوں، عقیدتمندوں، قرابتداروں اور اہلِ ایمان کو اس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ افراتفری پھیلائیں۔ فتنہ و فساد میں حصہ لیں۔ اور منصب و اقتدار کیلئے منفی ذرائع استعمال کریں۔

درندوں کی فرماں برداری

پیغمبر، اور امام، زمین پر اللہ کی حجت، اور اس کے اوامر و نواہی کے مصدر، اور تمام مخلوقات کے لئے اس کے نمائندے ہوتے ہیں
اور پروردگار عالم ان کی عظمت و جلالت کو، تمام موجودات پر نمایاں کرنے کے لئے خصوصی اقدامات فرماتا ہے۔
چنانچہ جب اس نے اپنے پہلے نمائندہ کو پیدا کیا، تو ان کی قدر و منزلت کو نمایاں کرنے کے لئے سارے فرشتوں کو حکم دیا کہ ان کو سجدہ کریں۔
جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ۔

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ "آدمؑ کو سجدہ کرو"، تو سب نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے، جس نے انکار کیا۔ اور تکبر سے کام لیا، اور کافروں میں سے ہو گیا۔)

(سورۃ البقرۃ - آیت ۳۴)

جس کے ذیل میں اربابِ تفسیر نے لکھا ہے کہ:
اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو تمام موجودات کا نمونہ اور عالم جسمانی و روحانی کا مجموعہ بنایا، اور ملائکہ کے لئے حصولِ کمالات کا وسیلہ کیا تو انھیں حکم فرمایا کہ "حضرت آدمؑ کو سجدہ کریں"؛ کیونکہ اس میں شکر گذاری، اور حضرت آدم علیہ السلام

فضیلت کی شان پائی جاتی ہے۔

اور بعض مفسرین کا قول ہے: کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کرنے سے پہلے ہی ملائکہ کو سجدہ کا حکم دیا تھا' ان کی سند یہ آیت ہے کہ:

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ

(تو جب میں اُن کو تیار کردوں اور اپنی (خاص) روح میں سے ان کے اندر پھونک دوں تو تم سب اُن کو سجدہ کرنا)

... ملائکہ میں سب سے پہلے سجدہ کرنے والے حضرت جبرئیلؑ ہیں' پھر میکائیل' پھر اسرافیل' پھر عزرائیل' پھر اور ملائکہ مقربین۔

یہ سجدہ جمعہ کے روز' وقتِ زوال سے عصر تک کیا گیا۔

آیت میں دلالت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام فرشتوں سے افضل ہیں۔"

ملاحظہ فرمایئے تفسیر خزائن العرفان
برحاشیہ کنز العمال (مولانا احمد رضا خاں بریلوی
صفحہ ۱۰ اور صفحہ ۳۲)

اور برادرانِ اہلسنت کے ایک اور مشہور مفسر نے آیت کے ذیل میں لکھا لکھا ہے کہ:

"اس کا مطلب یہ ہے کہ: زمین اور اس سے تعلق رکھنے والے طبقہ' کائنات میں جس قدر فرشتے مامور ہیں' اُن سب کو انسان کے لئے مطیع و مسخر ہو جانے کا حکم دیا گیا' چونکہ اس علاقے میں اللہ کے حکم سے انسان خلیفہ بنایا جا رہا تھا۔ اس لئے فرمان جاری ہوا کہ:

"جس کام میں بھی انسان اپنے اُن اختیارات کو — جو ہم اُسے عطا کر رہے ہیں' استعمال کرنا چاہے۔

تمہارا فرض ہے کہ تم میں سے جس جس کے دائرۂ عمل سے وہ کام متعلق ہو، وہ اپنے دائرے کی حد تک اس کا ساتھ دے۔

مثال کے طور پر اسے یوں سمجھئے کہ :

" ایک فرماں روا جب کسی شخص کو اپنے ملک کے کسی صوبے یا ضلع کا حاکم مقرر کرتا ہے تو اس علاقے میں حکومت کے جس قدر کارندے ہوتے ہیں ان سب کا فرض ہوتا ہے کہ اسکی اطاعت کریں۔"

(تفسیر تفہیم القرآن جلد ۱ صفحہ ۶۴، ۶۵)

اور مدینہ منورہ کے شاہی مطبع سے شائع ہونے والے قرآن مجید کے تفسیری حواشی میں بھی اعتراف کیا گیا ہے کہ :

- فرشتوں نے اللہ کے حکم پر حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ جس سے آن کی تکریم وفضیلت فرشتوں پر واضح کرنا مقصود تھی۔ کیونکہ یہ سجدہ تعظیم کے طور پر ہی تھا۔

(قرآن مجید مطبوعہ مدینہ منورہ صفحہ ۱۰)

مذکورہ بالا تفاسیر کے ان اقتباسات سے یہ واضح ہے کہ :

- خداوند عالم نے تمام فرشتوں سے حضرت آدمؑ کی تعظیم کرائی۔
- اس کے ذریعہ سے حضرت آدمؑ کی فضیلت کو واضح کیا۔ اور
- قدرت کی طرف سے یہ اعلان کر دیا گیا کہ :

" حاکمِ اعلیٰ کے نمائندے کی اطاعت" تمام موجودات پر فرض ہے۔

اب اگر حضرت آدمؑ کے لئے قدرت نے یہ اعلان فرما دیا کہ میرے نمائندے

کی اطاعت تمام موجودات پر فرض ہے تو حضرت محمدؐ و آلِ محمدؐ و السلام تو وہ ہیں جن کے واسطے سے خود حضرت آدمؑ کی دعا مستجاب ہوئی تھی، جس کا اعتراف برادران اہلسنت کے بھی متعدد مفسرین، خصوصاً علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیر "درِ منثور" میں کیا ہے۔

اب اگر تاریخ اس بات کی گواہی دے کہ:

○:- • حضور کی انگلی کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔

○:- آپ نے درخت کو حکم دیا تو: اپنی جگہ سے اکھڑ کر چلا۔ اور آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

○- آپؐ نے سنگریزے کو اٹھا کر ہاتھوں پر رکھ لیا تو وہ تسبیح پڑھنے لگا۔

یا—

○ جناب امیرؑ کے لئے ڈوبا ہوا آفتاب مغرب سے پلٹ آیا۔

اور—

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک مری ہوئی گائے کو حکم دیا کہ:

" تم باذن اللہ (حکم خدا سے کھڑی ہو جا۔) اور وہ زندہ ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

تو ان واقعات میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ اللہ کے تمام بندے کی اطاعت تمام مخلوقات پر فرض ہے۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں کہ متعدد مخلوقات نے آپ کے سامنے فرماں برداری کا مظاہرہ کیا۔ یہاں تک کہ درندوں (پھاڑ کھانے والے جانوروں نے آپ کا انتہائی احترام کیا۔

چنانچہ قطب راوندی کی روایت ہے کہ: متوکل عباسی کے زمانہ میں ایک

عورت نے یہ دعویٰ کر دیا کہ وہ جنابِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی بیٹی ہے اور اس نام زینبؑ ہے۔

اور جب اُس سے کہا گیا کہ: جنابِ زینبؑ کو دنیا سے تشریف لے گئے ہوئے تو ایک زمانہ ہو گیا (کیونکہ اُن کا انتقال ۶۲ھ ہجری میں ہی ہو گیا تھا۔)

تو وہ خاتون کہنے لگی کہ: حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سر پہ دستِ شفقت پھیرتے ہوئے میرے لئے دعا کی تھی، جس کی وجہ سے ہر چالیس سال بعد میری جوانی دوبارہ واپس آجاتی ہے۔

متوکلؒ نے اولادِ حضرت ابوطالبؑ میں سے بزرگان و مشائخ، جنابِ عباسؓ کی اولاد اور قریش (کے نمایاں لوگوں) کو بلا کر یہ مسئلہ اُن کے سامنے رکھا۔

سب نے کہا کہ: وہ خاتون جھوٹ بولتی ہے (حضورِ اکرمؐ نے ایسی کوئی دعا نہیں فرمائی تھی؛ جنابِ زینبؑ تو اسی سال (۶۲ھ) میں رحلت فرما گئی تھیں۔

وہ خاتون بولی کہ: "یہ سب لوگ خلافِ حقیقت باتیں کر رہے ہیں" میں چونکہ مخفی طور پر زندگی گذار رہی تھی، اس لئے کسی کو بھی میرے حالات کا پتہ نہ چل سکا لیکن اب میں نے پوشیدہ طور سے زندگی گذارنا ترک کر دیا ہے۔ اور) لوگوں کے سامنے ظاہر ہو گئی ہوں۔

متوکلؒ نے قسم کھائی کہ: اس کے دعوے کو غلط ثابت کرنے کیلئے کوئی ایسی واضح دلیل سامنے آنی چاہیئے (جس کا یہ انکار نہ کر سکے۔)

لوگوں نے اس سے کہا کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے پوتے (امام علی نقیؑ) کو زحمت دی جائے تو امکان ہے کہ وہ دلیل و برہان کے ذریعہ سے اس خاتون کے دعوے کا باطل ہونا واضح کر دیں۔

چنانچہ امامؑ کو زحمت دی گئی، اور آپ تشریف لائے تو آپ کے سامنے

اس عورت کی داستان بیان کی گئی۔

امام علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ: وہ خاتون جھوٹ بولتی ہے، جناب زینبؑ تو فلاں سال رحلت فرما چکی ہیں۔

لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ: یہ بات تو اُس سے کہی گئی ہے مگر وہ نہیں مانتی، آپ کوئی ایسی برہان قاطع ارشاد فرمائیں کہ اسے لاجواب کیا جا سکے

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ، برہان قاطع یہ ہے کہ۔

"جناب فاطمہ زہراؑ کی اولاد کا گوشت درندوں پر حرام ہے۔

یعنی خداوند عالم نے انھیں پابند کر رکھا ہے کہ وہ اولادِ فاطمہؑ کا گوشت نہ کھائیں، اس خاتون کو شیروں کے سامنے ڈال دیا جائے اگر وہ سچی ہے تو شیر اسے کھائیں گے ہی نہیں!

یہ سن کر متوکل نے اس خاتون سے پوچھا، اس کے بارے میں تم کیا کہتی ہو؟

کہنے لگی کہ، تم لوگ اس طرح مجھے ہلاک کرنا چاہتے ہو۔

متوکل جو خاندانِ رسالتؐ سے خاص عداوت رکھتا تھا جس کی وجہ سے بعض ارباب تاریخ نے اسے بنی عباس کا یزید بھی قرار دیا ہے۔

کہتے ہیں کہ: اُسے اپنے بغض و عداوت کے اظہار کا موقع مل گیا کہ وہ امامؑ سے یہ مطالبہ کرے کہ آپ ہی شیروں کے کٹہرے میں جائیں، تاکہ اگر گزند پہونچنی ہے، تو آپ ہی کو پہونچ جائے۔

چنانچہ آپؑ سے اس نے فرمائش کی: اے ابوالحسنؑ، آپ خود ہی شیروں کے پنجرے میں کیوں نہیں تشریف لے جاتے۔

امامؑ نے فرمایا کہ: "اگر تو چاہتا ہے تو میں خود ہی ان درندوں کے درمیان جاتا ہوں۔

متوکل کو یہ بات غنیمت معلوم ہوئی اور وہ آخرکار اپنی عداوت کو چھپا نہ سکا۔
اور امام علیہ السلام سے فرمائش کر دی کہ:
آپ ہی درندوں کے درمیان تشریف لے جائیں۔
امامؑ نے آمادگی ظاہر کی جس کے بعد درندوں کے کٹہرے کا دروازہ کھول دیا
گیا تو آپؑ اس کے اندر جا کر بیٹھ گئے
امامؑ کے بیٹھتے ہی درندے آنے شروع ہوئے، شیروں نے آپ کے سامنے
سر جھکا دیئے۔ اور آپ نے ان سروں پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا۔
پھر آپ نے سب (شیروں اور درندوں) کو حکم دیا کہ۔ کنارے چلے جاؤ۔ اور آپ کا
حکم پاتے ہی وہ سب کنارے چلے گئے۔
سارے اعیانِ سلطنت یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ ہر ایک کے دل میں
امام علیہ السلام کی عظمت وجلالت کے چراغ روشن ہو رہے تھے۔
ہر ایک یہ محسوس کر رہا تھا کہ: امام علیہ السلام اپنے پروردگار کی بارگاہ میں اس قدر
تقرب کی منزل پر فائز ہیں کہ اسکی تمام مخلوقات۔ حتیٰ کہ درندے جو انسان کے خون کے
پیاسے ہوتے ہیں، وہ بھی آپ کے مطیع و فرماں بردار ہیں۔ جب آپ ان کے درمیان
گئے تو سب نے آپ کی تعظیم کرتے ہوئے آپ کے سامنے سر جھکا دیا' اور جب آپ نے 'ان
درندوں کو حکم دیا کہ سب یہاں سے اٹھ کر کنارے چلے جاؤ'، تو آپ کے حکم کی اطاعت
کرتے ہوئے، سب کے سب کنارے چلے گئے۔
متوکل کے خاص وزیر نے (جس کے مشوروں کو وہ بہت اہمیت دیتا تھا) اس نے
متوکل سے کہا کہ: یہ صورتحال آپ کے حق میں مناسب نہیں ہے (کیونکہ لوگ یہ محسوس
کریں گے کہ امام وقتؑ کی اطاعت درندے بھی کرتے ہیں۔ لہٰذا یہی حجت خدا
اور زمین پر اس کے نمائندے ہیں۔)

اور لوگوں کے درمیان ان کی مقبولیت میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔

جلدی انھیں کٹہرے سے باہر تشریف لانے کے لئے کہیئے، تاکہ لوگ اس منظر کو دیکھنے کے لئے جمع نہ ہو جائیں، کیونکہ جس قدر لوگ اس منظر کو دیکھیں گے اسی قدر وہ متاثر ہوں گے، اور ان کی عظمت نمایاں ہونے سے حاکم وقت کا بے حیثیت ہونا نمایاں ہوگا۔ پھر سب لوگ یہ مطالبہ بھی کر سکتے ہیں کہ جس ذات والاصفات کی اطاعت، اللہ کی دوسری مخلوقات کرتی ہیں، اسی کو ہم انسانوں پر حکومت کرنے کا حق ملنا چاہیئے۔ اور یہ بات پورے موجودہ نظام کو درہم برہم کر دے گی)

چنانچہ آپ سے درخواست کی گئی کہ واپس تشریف لایئے۔

جب آپ شیروں کے کٹہرے سے نکلنے لگے تو آپ کو رخصت کرنے کیلئے وہ سب درندے ایکبار پھر آپ کے پاس جمع ہوئے، اور آپ کے قدموں پر سر رکھ کر آپ کے پیراہن مبارک سے خود کو مس کرنے لگے۔ امام علیہ السلام نے اشارہ کیا کہ تم سب واپس جاؤ، تو سب واپس چلے گئے۔

امامؑ نے درندوں کے کٹہرے سے واپس آکر ارشاد فرمایا کہ:

(جس شخص کو اطمینان ہے کہ وہ جناب فاطمہؑ کی اولاد ہے وہ اس جگہ جاکر بیٹھے!!

یہ منظر دیکھ کر وہ خاتون ششدر رہ گئی اور اپنی جان بچانے کیلئے اس نے فوراً اعلان کر دیا کہ میں نے غلط دعویٰ کیا تھا، میں تو فلاں شخص کی بیٹی ہوں، غربت و تنگدستی سے پریشان تھی اس لئے میں نے ایک کہانی گھڑی تھی کہ اس کے ذریعہ لوگوں سے کچھ منفعت حاصل کروں۔)

متوکل نے حکم دیا کہ اس خاتون کو شیروں کے آگے ڈال دیا جائے تاکہ اسے پھاڑ کھائیں لیکن پھر اس کی ماں نے سفارش کی کہ اس خاتون کو چھوڑ دیا جائے۔

امام علیہ السلام کی مدینہ سے سامرا روانگی

مناسب نظر آتا ہے کہ رسولؐ اور اولادِ رسولؐ کے مکۂ مکرمہ سے مدینہ منورہ اور اور مدینہ منورہ سے سامرا منتقل ہونے کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے۔

تقریباً پونے پانچ ہزار برس قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند جناب اسمٰعیل کے ساتھ مل کر، مکۂ مکرمہ میں خانۂ کعبہ کی تعمیر فرمائی۔

جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔

(اور جب ابراہیمؑ واسمعیلؑ (ہمارے) گھر کی بنیادوں کو اٹھا رہے تھے تو یہ دعا کی): اے ہمارے پروردگار ہماری طرف سے (اس عمل کو) قبول فرما، بیشک تو خوب سننے والا جاننے والا ہے)

(سورہ البقرہ آیت نمبر ۱۲۷)

حضرت ابراہیمؑ نے اسی خانۂ خدا کے پاس اپنے فرزند جناب اسمعیلؑ کو ان کی مادرِ گرامی جناب ہاجرہ کے ساتھ مقیم فرما دیا کہ اب تم لوگوں کو یہیں رہنا سہنا ہے۔

اُس وقت وہ سرزمین ایک سنگلاخ وادی کی حیثیت رکھتی تھی جو ہر طرف

سے خشک پہاڑوں سے گھری ہوئی تھی، جہاں نہ کوئی سبزہ تھا، نہ درخت، نہ پانی، نہ جانور، نہ کوئی انسان، نہ کوئی جاندار، نہ کوئی اور عمارت، نہ کسی قسم کے وسائل حیات

چنانچہ آپ نے بارگاہِ معبود میں دعا فرمائی:

رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡـِٕدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ وَ ارۡزُقۡہُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّہُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ۔

(اے ہمارے پروردگار۔ میں نے اپنی اولاد میں سے بعض کو تیرے محترم گھر کے پاس، ایک ایسی وادی میں (لاکر) بسایا ہے جس میں (کوئی) زراعت (بھی) نہیں ہے۔

اے ہمارے پروردگار۔ یہ کام میں نے اس لئے کیا ہے) تاکہ یہ لوگ نماز قائم کریں۔

تو کچھ لوگوں کے دلوں کو، تو ان کی طرف مائل کر دے۔

اور انھیں پھلوں کا رزق مرحمت فرما، تاکہ یہ شکر گذاری کریں)

(سورۂ ابراھیم آیت نمبر ۳۷)

اس کے بعد آپ اُس علاقہ کی طرف واپس چلے گئے، جہاں بعد میں بیت المقدس تعمیر ہوا، اور جہاں آجکل ایک شہر حضرت ابراہیمؑ کی نسبت سے ہی آباد ہے۔ جسے "الخلیل" کہا جاتا ہے۔

اور خداوندِ عالم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ایسے اسباب فراہم کر دیئے کہ اس وادی غیرِ ذی زرع" میں ایک عظیم الشان شہر آباد ہو جائے۔

جناب اسمٰعیلؑ و ہاجرہؑ یہاں زندگی گذارتے رہے، اور قرب و جوار سے

لوگ یہاں آکر آباد ہوتے رہے، پھر جب حضرت اسمٰعیل جوان ہوئے، تو قبیلۂ "بنی جرہم" میں آپ کی شادی ہوئی، اور یہ شہر نسلِ جنابِ اسمٰعیلؑ کا مستقل مسکن قرار پایا۔

اسی نسل میں ہزاروں سال کے بعد آمنہؓ کی آغوش میں وہ نورِ الٰہی چمکا۔ جسے پروردگارِ عالم نے خاتم الانبیاء والمرسلین کا تاج پہنایا۔

سنہ عام الفیل میں حضورِ اکرمؐ کی ولادتِ باسعادت ہوئی، اور اپنی عمرِ مبارک کے ۵۳ سال آپؐ نے اسی شہر میں گذارے بعثت سے پہلے چالیس سال، اور بعثت کے بعد تیرہ سال۔

اور جب مکۂ مکرمہ کے حالات آپؐ کے لئے انتہائی ناساز گار ہوگئے، اور کفار و مشرکین نے آپؐ کے قتل کے منصوبے کو آخری شکل دے دی تو خداوندِ عالم کے حکم سے آپؐ نے شہر یثرب کی طرف ہجرت فرمائی جو آپکے وجودِ انور کی برکت سے "مدینہ منورہ" مشہور ہوا۔

شہرِ مدینہ میں جو لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے تھے، انھوں نے حضورِ اکرمؐ کی تشریف آوری کے موقع پر آپؐ کا نہایت شاندار استقبال کیا۔ اور آپؐ نے اسلام کی پہلی مثالی حکومت اسی شہر میں قائم کی۔

مگر شروع ہی سے یہ شہر منافقین کی آماجگاہ بھی رہا جن کی شرارتوں، بدعنوانیوں بے ایمانیوں اور جرم و آز کے واقعات کو قرآنِ مجید کے مندرجہ ذیل سوروں میں پڑھا جاسکتا ہے۔

سورۂ البقرہ۔ سورۂ النساء۔ سورۂ المائدہ۔ سورۂ انفال۔ سورۂ توبہ۔ سورۂ احزاب۔ سورۂ محمدؐ۔ سورۂ الحدید۔ سورۂ المجادلہ۔ سورۂ الحشر۔

اور سورہ منافقون۔

اور قرآن مجید نے صریح اعلان فرمادیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارد گرد، اور اطراف وجوانب میں بکثرت منافقین زندگی گذار رہے تھے، اور خود مدینہ منورہ کے اندر ایسے لوگ تھے جو اپنے نفاق میں سرکشی کی حد تک ڈوبے ہوئے تھے۔ جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ ۖ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ ۖ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ.

(اور تم لوگوں کے اطراف بادیہ نشینوں میں منافق بھی ہیں، اور مدینہ کے رہنے والوں میں (ایسے بھی ہیں جو نفاق پر سرکشی کے ساتھ اڑے ہوئے ہیں)

(ملاحظہ فرمایئے، سورۃ التوبہ آیت نمبر ۱۰۱)

اور یہی سرکش منافقین تھے جو حضور اکرمؐ کی حیات طیبہ میں آپؐ کی زبان مبارک سے امیر المومنین حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے فضائل کا تذکرہ سن کر اس قدر کبیدہ خاطر ہوتے تھے کہ ان کے چہرے اُتر جاتے تھے، اور بعض اوقات ان کے دل کی عداوت زبان سے ظاہر ہو جاتی تھی، جو حضور اکرمؐ کے لئے رنج وملال کا باعث بنتی تھی۔

اور ان ہی منافقین کی ریشہ دوانیوں کی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ بند ہوتے ہی اہلبیت طاہرین علیہم السلام پر ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

جناب امیرؑ کو ان کے حق سے محروم کیا گیا۔

جناب سیدہؑ کا گھر جلانے کے لئے لوگ آگ لکڑی لے کر پہنچ گئے۔

دخترِ رسولؐ پر گھر کا دروازہ گرادیا جس سے آپ کا پہلو زخمی ہوا۔ اور بالآخر آپ کی شہادت کا سبب بنا۔

ان ہی مظالم کے نتیجے میں جناب محسنؑ کی شہادت واقع ہوئی۔

اور وہ تمام ایذا رسانیاں کی گئیں جن کے ذکر سے تاریخ بھری ہوئی ہے۔

حضرت امیر المومنین علیؑ بن ابی طالبؑ کو پچیس برس بعد جب مجبوراً خلافت پیش بھی کی گئی تو ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے کہ آپ سکون سے نہ رہ سکیں، اور مجبوراً آپ کو اپنا دارالخلافہ مدینہ سے عراق منتقل کرنا پڑا۔

اور آپ کی شہادت کے بعد جب امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اقتدار و حکومت سے دستبردار ہو کر مدینہ منورہ واپس آئے، تو آپ کو اسی شہر میں زہر کے ذریعے سے شہید کیا گیا، اور پھر آپ کے جنازہ پر تیروں کی بارش کی گئی۔

سرکارِ سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کو بھی مدینہ میں سکون سے نہ رہنے دیا گیا، جس کے نتیجہ میں آپ کچھ عرصہ کیلئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، اور وہاں سے کربلا، جہاں تین روز کی بھوک و پیاس میں آپ نے مع اہلِ خاندان، اعوان و انصار جامِ شہادت نوش فرمایا۔

اسی طرح ہمارے تمام ائمہ طاہرین علیہم السلام کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جاتا رہا، یہاں تک کہ متوکل جیسے بد سرشت اور بد طینت حکمران کے دور میں حضرت امام علی النقیؑ کو مدینہ منورہ کی رہائش ترک کر کے عراق کے شہر سامراء جانا پڑا۔

البتہ اس سلسلہ میں اربابِ تاریخ نے جو روداد لکھی ہے، اس سے بھی امام

کی عظمت و جلالت، اور بنی نوع انسان کے درمیان آپ کا محبوب القلوب ہونا ہی نمایاں ہوتا ہے۔

چنانچہ مورخین کا بیان ہے کہ:

متوکل عباسی کے زمانہ میں بریحہ عباسی "حرمین (مسجد الحرام اور مسجدِ نبویؐ) کے امور کا نگہبان مقرر کیا گیا تھا، اُس نے جب لوگوں کے درمیان، حضرت امام علی نقیؑ کے احترام اور مقبولیت کا مشاہدہ کیا تو رشک و حسد سے جل کر اس نے حاکمِ وقت کو خط لکھا کہ:

"اگر تم مکہ و مدینہ کو اپنے اختیار میں رکھنا چاہتے ہو تو جس قدر جلد ممکن ہو یہاں سے امام علی نقیؑ کو کسی اور علاقہ میں منتقل کرو۔

کیونکہ مکہ و مدینہ کے زیادہ تر لوگ اُن ہی کے اطاعت گذار و فرماں بردار ہیں۔

اُس نے دوسرے لوگوں سے بھی اسی مضمون کے خط لکھوا کر بھجوائے نیز عبداللہ بن محمد، جو مدینہ منورہ کا گورنر تھا، اس نے امام علیہ السلام کو بے انتہا اذیت پہنچانا شروع کی۔

اور اس نے بھی متوکل کے نام ایسے خطوط لکھے کہ وہ آتشِ غیظ و غضب سے بھڑک اٹھا۔

اور پھر متوکل عباسی نے تدبیریں شروع کردیں کہ کسی طرح جلد از جلد امامؑ سے مدینہ منورہ کی رہائش چھڑا دی جائے۔

اور آخر وہ وقت آہی گیا، جب امام علیہ السلام نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ اس شہر کو ترک کردیں۔

جس طرح حضرت رسولِ خدا، مکہ مکرمہ میں ہی رہنا چاہتے تھے لیکن آخر کار حالات کے تحت، اور حکمِ خدا کی بناء پر آپ نے اس شہر کو ترک کیا اور مدینہ تشریف لائے۔

اسی طرح حضرت امام علی نقی علیہ السلام، مدینہ منورہ ہی میں رہنا چاہتے تھے، لیکن حالات کی بنا پر، اور دین کی مصلحتوں کے پیش نظر آپ نے اس شہر کو چھوڑا اور شہر سامرا، (عراق) کیلئے روانہ ہوئے، جسے اُس زمانہ میں "سُر من رای" کہا جاتا تھا۔

مشہور مورخ "مسعودی" نے یحییٰ بن ہرثمہ سے نقل کیا ہے، وہ کہتا ہے۔
متوکل عباسی نے مجھے مدینہ منورہ بھیجا تاکہ امام علی نقیؑ کو لے کر میں یہاں سے سامرا جاؤں۔
جب میں شہر میں وارد ہوا، اور اہلِ مدینہ کو میری آمد کی خبر ہوئی تو وہاں کے باشندوں نے اس قدر نالہ و فریاد بلند کی، جس کی مثال میں نے اس سے قبل نہ کہیں دیکھی تھی نہ سُنی تھی۔
چنانچہ میں نے قسم کھا کر ان لوگوں کو اطمینان دلایا کہ میں امام علیہ السلام سے خلاف کسی جارحیت کے لئے نہیں بھیجا گیا ہوں، بلکہ صرف دورانِ سفر آپ کے ساتھ رہنے کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔

(منتہی الآمال جلد ۲ : ۴۸۶)

امام علیہ السلام کا احترام

پروردگارِ عالم نے ہمارے ائمہ طاہرین علیہم السلام کو وہ عظمت و جلالت عطا فرمائی ہے کہ لوگ بے ساختہ آپ کا احترام کریں۔

یہاں تک کہ کوئی شخص خود کو روکنا بھی چاہے تو نہ روک سکے۔

جس طرح حضورِ اکرم کو پروردگارِ عالم نے ایسی جلالتِ قدر عطا فرمائی تھی کہ مکہ کے کفار و مشرکین، نہ چاہتے ہوئے بھی، آپ کا احترام کرنے پر خود کو مجبور پاتے تھے۔

اسی طرح

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کو بھی اپنے عہدِ شباب ہی سے ایسی قدر و منزلت حاصل تھی کہ اپنے ہوں یا غیر سب ہی بے ساختہ آپ کا احترام کرتے تھے۔

اس سلسلے میں "امین الدین طبرسی" نے محمد بن حسن اشتر علوی کے حوالے سے ایک دلچسپ واقعہ تاریخ کے سپرد کیا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ: میں اور میرے والد صاحب متوکل کے گھر گئے ہوئے تھے۔

میں اس وقت کمسن تھا۔

حضرت ابوطالبؑ و جناب عباس کی اولاد (کے معززین) اور آلِ جعفر کے لوگ بھی وہاں موجود تھے۔

ہم لوگ کھڑے ہوئے تھے کہ اچانک حضرت امام علی نقیؑ وہاں تشریف لائے

جنھیں دیکھتے ہی سب لوگ اُن کے استقبال کو کھڑے ہو گئے۔
کچھ لوگ۔ جنھیں امامؑ کا یہ استقبال کرنا ناگوار گذرا، آپس میں سرگوشیوں میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ:
"یہ نوجوان، جو نہ سن و سال میں ہم سے زیادہ ہیں نہ منصب و جاہ و حشم میں!۔
پھر ہم لوگ اُن کے استقبال کے لئے کھڑے ہوتے ہیں؛
خدا کی قسم آئندہ۔ تو ہم اُن کے استقبال کے لئے نہیں کھڑے ہونگے۔
ابو ہاشم جعفری۔ جو وہاں موجود تھے، انھوں نے اُن لوگوں کو مخاطب کرکے پوری جرأت کے ساتھ کہا کہ۔
"خدا کی قسم۔ تم جب بھی ان کو دیکھو گے لازماً اُن کے استقبال کیلئے کھڑے ہوگے اور ذلت و خواری بھی محسوس کروگے!
تھوڑا ہی عرصہ گذرا ہوگا کہ: امام علیہ السلام تشریف لائے، اور جیسے ہی لوگوں کی نگاہ پڑی کہ آپ تشریف لا رہے ہیں۔ سب لوگ استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے جن میں وہ لوگ بھی شامل تھے جنھوں نے قسم کھا کر اعلان کیا تھا کہ: ہم تو آئندہ نہیں کھڑے ہونگے۔
ابو ہاشم جعفری نے ان لوگوں سے پوچھا کہ:
"کیا تم لوگوں نے حلفیہ یہ نہیں کہا تھا کہ: ہم لوگ آئندہ امامؑ کے استقبال کے لئے نہیں کھڑے ہونگے۔ پھر کیا وجہ ہوئی کہ اپنی اُس قسم کے باوجود اُن کی آمد کے موقع پر تم لوگ کھڑے ہو گئے۔!
تو اُن لوگوں نے جواب دیا کہ: خدا شاھد ہے کہ ہم لوگ اپنے آپ کو روک ہی نہ سکے اور بے اختیار ان کے استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے بعض معجزات

معجزہ۔ خداوندِ عالم کی طرف عطا کی جانے والی وہ منفرد طاقت وقوت، جو نبی و امام کے منصب کی تائید کیلئے عطا کی جاتی ہے۔

جیسے خداوندِ عالم نے جب حضرت موسیٰؑ کو فرعون کی طرف بھیجا۔

جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ

(تم ہمارے معجزات لے کر اپنے بھائی کے ساتھ جاؤ)

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى۔

(تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ۔ بے شک اُس نے سرکشی اختیار کر رکھی ہے)

(سورۂ طٰہٰ، آیت نمبر ۴۲، ۴۳)

اور آپ عصا اور یدِ بیضا کے ساتھ فرعون کے دربار میں پہنچے، اور خداوندِ عالم کے فرمان کے مطابق وہاں حق کا پیغام سنایا۔

پھر خداوندِ عالم نے اپنے پیغمبر کو مزید معجزات سے نوازا جیسا کہ قرآنِ مجید میں ایک اور موقع پر قدرت کا ارشاد ہے کہ:

ہم نے موسیٰؑ کو ۹ معجزات عطا کیے۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ کو متعدد معجزات عطا فرمائے:

چنانچہ ارشادِ قدرت ہے:

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْىِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِىْ بُيُوْتِكُمْ ۔

(اور (انہیں) بنی اسرائیل کی طرف رسول (بنا کر بھیجا (جنھوں نے ان لوگوں سے کہا کہ)

"میں یقیناً تم لوگوں کے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے آیا ہوں، میں مٹی سے تمہارے لئے پرندہ کے پیکر جیسا بناؤں گا۔ پھر اس میں پھونکوں گا تو بحکم خدا پرندہ ہو جائے گا' اور میں مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو حکم خدا سے بالکل اچھا کر دوں گا' اور اللہ کی اجازت سے میں مردے کو زندہ کر دوں گا اور جو کچھ تم کھاتے ہو' اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو (سب کچھ) میں تمہیں بتا دوں گا)

(سورہ آلِ عمران: آیت نمبر ۴۹)

اسی طرح دوسرے پیغمبروں کو پروردگارِ عالم نے معجزات سے نوازا' تاکہ لوگ ان کے انتخابِ الٰہی پر ایمان لائیں۔ نیز اللہ نے آخری نبیؐ حضرت محمد مصطفٰےؐ کو قرآن جیسا معجزہ عطا فرمایا' جو قیامت تک کے لئے حضورؐ کی رسالت کا زندہ معجزہ بن کر آیا ہے۔

قرآن مجید کے علاوہ بھی' پروردگارِ عالم نے اپنے محبوب کو بکثرت معجزات

عطا فرمائے، جن کا اہلِ تاریخ نے تفصیل سے تذکرہ کیا ہے

اور صاحب "مدینۃ المعاجز" نے آپ کے معجزات کی تعداد پانچ سو تک بیان کی ہے۔ اور اس کتاب میں حضورِ اکرمؐ سے لے کر ہمارے تمام ہادیانِ برحق تک ہر امام و معصومؑ کے بکثرت معجزات نہایت تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔

اور اس کتاب کے علاوہ دیگر مؤلفین نے اپنی اپنی تالیفات میں اُن معجزات کا تذکرہ کیا ہے، جو ہمارے ائمہ طاہرین علیہم السلام کے دستِ مبارک پر ظاہر ہوئے۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے بارے میں بھی اربابِ تاریخ و سیرت نے سینکڑوں معجزات کا ذکر کیا ہے، جن میں سے ہم چند معجزات نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

(۱)

قطب راوندی اور علامہ ابن شہر آشوب نے ابوہاشم جعفری کی روایت بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ:

"میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ نے ہندوستانی زبان میں گفتگو فرمائی۔

لیکن میں آپ کی بات کا صحیح طریقے سے جواب نہ دے سکا۔

تو آپ نے ایک سنگریزے کو جو چھوٹا سا تھا میری طرف بڑھا دیا، تو میں نے اُسے اپنے منہ میں رکھ لیا، جس کی برکت سے میں اس قدر فیضیاب ہوا کہ:

خدا کی قسم ابھی میں امام کے پاس سے اٹھا بھی نہ تھا کہ مجھے متعدد زبانوں میں بات کرنے کی طاقت پیدا ہو گئی، جن میں سب سے مقدم ہندوستانی زبان تھی۔

اور اس کے علاوہ میں ۷۲ زبانوں میں بات کر سکتا تھا، جو امامؑ کے لعابِ مبارک

کی تاثیر تھی۔

(۲)

یہی ابوہاشم جعفری بیان کرتے ہیں کہ :

(میں بغداد میں رہتا تھا، اور امام علی نقیؑ سے ملاقات کیلئے سامرا جاتا تھا۔

ایک دفعہ میں نے آپؑ سے ذکر کیا کہ جب میں آپ سے رخصت ہو کر بغداد جاتا ہوں، تو میرا دل چاہتا ہے کہ بار بار آپ کی خدمت میں حاضری دوں۔ لیکن اس ناتواں گھوڑے کے علاوہ میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے۔

یہ سن کر امامؑ نے میری سواری کو دُعا دی۔ جس کے بعد یہ کیفیت ہو گئی کہ میں صبح کی نماز بغداد میں ادا کرتا تھا۔ اور ظہر کی نماز سامرا میں امامؑ کی خدمت میں ادا کرتا تھا۔

(۳)

جناب ابن شہر آشوب کا بیان ہے کہ :

ایک شخص گھبرایا ہوا، کانپتا لرزتا ہوا خدمتِ امامؑ میں حاضر ہوا، اور عرض کرنے لگا کہ :

"اے فرزندِ رسولؐ۔ میرے بیٹے کو آپ حضرات سے محبت کے جرم میں حکامِ وقت نے گرفتار کر لیا ہے۔ اور آج رات کو اُسے فلاں پہاڑ کی بلندی سے نیچے گرا کر ھلاک کر دیں گے۔

امامؑ نے فرمایا : "تم کیا چاہتے ہو؟

تو اُس نے کہا" وہی، جو ہر ماں باپ اپنی اولاد کے بارے میں چاہ سکتے ہیں، کہ میرا بیٹا صحیح سالم رہے۔

یہ سُن کر امامؑ نے فرمایا" اسکے لئے کوئی خطرہ نہیں، وہ کل تمہارے پاس ہوگا۔

چنانچہ جیسا کہ امامؑ نے فرمایا تھا۔ جب صبح نمودار ہوئی تو اس شخص کے پاس اس کا بیٹا واپس آ گیا۔

باپ نے بیٹے سے پوچھا کہ "تم کیسے آزاد ہوئے؟

اس نے کہا کہ" ان لوگوں نے میری قبر کھود لی تھی، اور میرے ہاتھوں کو باندھ چکے تھے (اور میں رو رہا تھا) کہ اچانک دس پاک پاکیزہ اور خوشبو سے معطر افراد میرے پاس آئے اور پوچھا کہ:

"کیوں رو رہے ہو۔؟

میں نے بتایا کہ یہ لوگ مجھے ہلاک کرنے والے ہیں۔ قبر بھی کھود چکے ہیں)

یہ سن کر ان پاک و پاکیزہ لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ:

"جو آدمی تمہیں اس بلندی سے پھینک کر ہلاک کرنے والا ہے اگر اسی کو پھینک دیا جائے اور تم آزاد ہو جاؤ۔ تو کیا یہ کر سکتے ہو کہ یہ شہر چھوڑ دو، اور حضرت رسول خدمؐ کی قبر مبارک کے جوار میں زندگی گذارنے لگو۔؟

میں نے "جی ہاں۔

جس کے بعد ان پاک و پاکیزہ لوگوں نے اس صاحب کو پکڑ لیا (جو مجھے ہلاک کرنا چاہتا تھا) اور اسے اس جگہ پھینک دیا۔ نہ تو کسی نے اس کی فریاد سنی" نہ کسی نے اسے دیکھا۔

اور وہ دس آدمی مجھے اٹھا کر آپ کے پاس لائے ہیں، اور اس وقت انتظار کر رہے ہیں کہ میں آپ سے رخصت ہو کر ان لوگوں کے پاس پہنچوں۔

اس کے بعد باپ سے رخصت ہو کر وہ ان لوگوں کے ساتھ چلا گیا۔

جس کے بعد، اس جوان کا باپ امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، اور بتایا کہ (آپ کی برکت سے معجزانہ طور پر) میرا بیٹا بچ گیا۔

اُس وقت بازاری قسم کے لوگ اِدھر اُدھر یہ کہتے پھر رہے تھے کہ فلاں جوان کو گرا کر ھلاک کر دیا گیا۔

اور امام علیہ السلام اُن لوگوں کی نادانی پر مسکرا رہے تھے۔ اور فرما رہے تھے کہ:

اِن بیچاروں کو کچھ پتہ نہیں۔ جو بات ہمارے علم میں ہے۔

(منتہی الآمال جلد ۲ صفحہ ۳۰۹)

(۴)

شیخ کی روایت ہے کہ:

لوگوں نے متوکل سے کہا کہ حضرت امام علی النقیؑ کے سلسلہ میں "تم خود اپنے خلاف ایسے اقدامات کر رہے ہو، جو کوئی اور نہیں کر سکتا۔

جب وہ تمہارے ہاں تشریف لاتے ہیں، تو یہاں موجود تمام لوگ اُن کی خدمت کرنے میں لگ جاتے ہیں یہاں تک کہ اُن کو اتنی بھی زحمت نہیں ہونے دیتے، کہ جس طرح دوسرے لوگ یہاں داخل ہوتے وقت، خود اپنے ھاتھ سے پردہ اُٹھا کر اندر آتے ہیں، اسی طرح وہ بھی آیا کریں، اور دروازہ بند کریں۔

بلکہ ان کیلئے تمہارے ملازمین دروازہ بھی کھولتے ہیں اور اندر داخل ہونے کیلئے پردہ بھی اوپر اٹھاتے ہیں۔ اگر لوگوں کو پتہ چلے تو وہ یہی کہیں گے کہ:

"چونکہ خلیفہ کو معلوم ہے کہ اس مسندِ خلافت کے اصل حقدار امام علی نقیؑ ہیں، اس لئے وہ اُن کا اس قدر احترام کرتا ہے، ورنہ اگر وہ انھیں اصل حقدار نہ سمجھتا تو اتنا احترام نہ کرتا۔

لہٰذا۔ تم ایسا کرو کہ: جب وہ تشریف لائیں تو اندر آتے وقت اپنے ھاتھ سے پردہ اوپر اٹھائیں، اور دوسرے لوگوں کی طرح سے وہ بھی داخل ہوں،

تاکہ جو زحمت دوسرے لوگ اٹھاتے ہیں' وہ بھی اٹھائیں۔

چنانچہ متوکل نے ملازمین کو حکم دے دیا کہ :

"اب جب امام تشریف لائیں' تو کوئی ان کے لئے محل کا پردہ نہ اٹھائے۔

اور چونکہ محل میں پیش آنے والے امور و معاملات کے بارے میں متوکل بہت چوکس رہا کرتا تھا' اس لئے اس نے کچھ لوگوں کو اس بات پر مامور کر دیا کہ :

"پوری توجہ رکھنا' کوئی پردہ نہ اٹھائے' تاکہ امام خود آ کے اٹھائیں' پھر اندر داخل ہوں۔

لیکن ہوا یہ کہ جس دن امام تشریف لائے قدرت نے ہوا کو حکم دیا کہ امامؑ کی آمد کے موقع پر پردہ کو اوپر اٹھا دے' اور جب امامؑ واپس تشریف لے جانے لگیں' تو ہوا دوبارہ اس پردہ کو دوسری سمت میں اوپر کی طرف اٹھائے تاکہ امامؑ کو خود اس کی زحمت نہ کرنا پڑے۔

چنانچہ جو شخص محل کے اندر پیش آنے والے واقعات کو لکھنے پر مامور تھا' اس نے امام علیہ السلام کی تشریف آوری کی روداد لکھتے ہوئے قلمبند کیا کہ :

"جب آپ تشریف لائے تو ملازمین' یا انسانوں میں سے تو کسی نے آپ کی تشریف آوری اور استقبال کے لئے پردہ نہیں اٹھایا' لیکن ایسی ہوا چلی کہ جس نے پردہ کو اوپر تک اٹھا دیا' اور امامؑ کسی زحمت کے بغیر اندر داخل ہوئے۔

متوکل نے حکم دیا کہ : سب لوگ خیال رکھیں کہ امامؑ کی واپسی کے موقع پر بھی' کوئی شخص ان کے لئے پردہ نہ اٹھائے۔

وقائع نگار نے آپ کی واپسی کی روداد قلمبند کرتے ہوئے لکھا کہ :

"جب امامؑ تشریف لے جانے لگے تو ملازمین' یا انسانوں میں سے تو کسی شخص نے آپ کے لئے پردہ نہیں اٹھایا' لیکن ہوا دوبارہ چلی' اور اس نے دوسری سمت

میں پردہ کو اتنا بلند کر دیا کہ امامؑ آسانی سے اُس کے نیچے سے تشریف لے جا سکیں۔

جب یہ رپورٹ متوکل کے سامنے آئی تو اسے اندازہ ہوا کہ اس سے تو امامؑ کی فضیلت اور زیادہ آشکار ہو رہی ہے۔ اور لوگوں کو اس بات کی اطلاع ملے گی کہ ہوا بھی آپؑ کے تابع فرمان ہے۔۔

لہٰذا۔۔ اُس نے فرمان جاری کر دیا کہ :

"آئندہ جب بھی امامؑ تشریف لائیں تو حاجب و دربان وغیرہ خود ہی' ان کیلئے پردہ کو اوپر کی طرف اٹھا دیا کریں۔

اعلاءِ کلمۃ الحق

حضورِ اکرمؐ کی مشہور حدیث ہے کہ:

اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ الْحَقِّ اَمَامَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ

(جابر حکمران کے سامنے حق بات کہنا سب سے افضل جہاد ہے)

اور ہمارے ہادیانِ برحق نے ہر دور میں اس اہم ترین فریضہ، اور افضل ترین جہاد کے ذریعہ، حق کی نشر و اشاعت فرمائی ہے۔

اس سلسلے میں کسی ظالم سے ظالم تر شخص، اور بدترین ستمگر کی ستمگری کی بنا پر اس اہم فریضہ کو ترک نہیں ہونے دیا گیا۔

تاکہ اُن کے چاہنے والوں کے سامنے، اس راہ میں بھی اُن کی سیرتِ طیبہ کے عملی نمونے موجود رہیں۔

امام علی النقی علیہ السلام کی حیاتِ ظاہری کا بیشتر حصہ متوکل عباسی جیسے بدسرشت اور سفاک حکمران کے عہدِ سلطنت میں گذرا، جو تمام بنی عباس میں سب سے زیادہ ظالم و جابر حکمراں کے طور پر مشہور ہے۔

اسیؔ کے حکم سے آپ کو مدینہ منورہ سے سامرا منتقل کیا گیا۔

اسیؔ نے ہر ممکن طریقے سے آپ کا عرصۂ حیات تنگ کرنے کی کوشش کی۔

بارہا آپؑ کے قتل کی منصوبہ بندی کی۔ اور آپ کو شہید کرنے کے لئے عملی

اقدام بھی کیا۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود امام علیہ السلام کارِ ہدایت انجام دیتے رہے۔ اسے نصیحت فرماتے رہے' اور نثر و نظم میں اس کے سامنے حق کی آواز بلند کرتے رہے۔

اس سلسلے میں مؤرخین نے مستند ذرائع سے ایک خاص واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ جسے ہم "منتہی الآمال" کے حوالے سے درج کر رہے ہیں:

مشہور مؤرخ مسعودی اور دیگر اکابر مؤرخین کا بیان ہے کہ:

کچھ لوگوں نے امام علی النقی علیہ السلام کے خلاف' متوکل عباسی کے کان بھرے اور اس سے کہا کہ:

" امامؑ کے گھر میں اسلحے کا انبار ہے اور اُن کے شیعوں کی طرف سے آئے ہوئے خطوط کی طومار ہے۔ اور آپؑ عنقریب حکومت کے خلاف خروج کرنے والے ہیں۔"

یہ سنتے ہی متوکلؒ طیش میں آگیا اور اس نے ترک فوجیوں کا ایک بڑا دستہ آپؑ کے بیت الشرف کی طرف روانہ کر دیا۔

فوجیوں کا وہ دستہ' رات کے وقت امام علیہ السلام کے گھر پر حملہ آور ہوا۔ پورے گھر کا چپہ چپہ اُدھیڑ دیا گیا۔ سارے ترک فوجی پورے گھر کی چھان بین کرتے رہے۔ لیکن کچھ بھی دستیاب نہ ہوا۔

اُن لوگوں نے دیکھا کہ امامؑ ایک کمرے کے اندر تشریف فرما ہیں' آپؑ کے جسم مبارک پر اُون کا لباس ہے اور زمین کے فرش پر' ریت پر بیٹھے ہوئے اپنے معبود سے محو دعا و مناجات ہیں' تلاوت کلام پاک فرما رہے ہیں۔

متوکلؒ کے بھیجے ہوئے فوجیوں نے امامؑ کو اسی حالت میں گرفتار کیا اور اپنے ساتھ لے کر' متوکلؒ کے پاس پہنچ گئے۔

آ ے بتایا کہ ہم لوگوں نے پورے ہجوم کے ساتھ اُن کے گھر بلہ بول دیا تھا اور پوری چھان بین کی۔ مگر ہمیں تو وہاں کچھ بھی نہ ملا۔

البتہ یہ دیکھا کہ آپؑ قبلہ رخ کئے ہوئے بیٹھے تھے اور قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے۔

امامؑ کے تشریف لانے پر متوکل نے آپؑ کا احترام کیا۔ اور اپنے قریب ہی نشست دی۔۔ اور آپؑ سے درخواست کرنے لگا کہ :

"مجھے کچھ اشعار سنایئے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ :

إنِّي قَلِيلُ الرِّوَايَةِ لِلشِّعْرِ.

مقصد یہ تھا کہ : میں شعر وغیرہ سے بہت کم تعلق رکھتا ہوں۔

لیکن اس نے اصرار کیا کہ کچھ تو ضرور سُنایئے۔

تو امامؑ نے مندرجہ ذیل اشعار سنائے جن میں دنیا کی بے ثباتی' بادشاہوں کی موت' ان کی ذلت و خواری' اور دنیا سے جانے کے بعد' لوگوں کے لئے نشانِ عبرت بن جانے کا تذکرہ :

آپ نے مندرجہ ذیل اشعار پڑھے۔

بَاتُوا عَلَى قُلَلِ الْأَجْبَالِ تَحْرُسُهُمْ

غُلْبُ الرِّجَالِ فَلَمْ تَنْفَعْهُمُ الْقُلَلُ

وَاسْتُنْزِلُوا بَعْدَ عِزٍّ مِنْ مَعَاقِلِهِمْ

وَأُسْكِنُوا حُفَرًا يَا بِئْسَمَا نَزَلُوا

نَادَاهُمْ صَارِخٌ مِنْ بَعْدِ دَفْنِهِمْ

أَيْنَ الْأَسَاوِرُ وَالتِّيجَانُ وَالْحُلَلُ

أَيْنَ الْوُجُوهُ الَّتِي كَانَتْ مُنَعَّمَةً
مِنْ دُونِهَا تُضْرَبُ الْأَسْتَارُ وَالْكُلَلُ

فَأَفْصَحَ الْقَبْرُ عَنْهُمْ حِيْنَ سَائَلَهُمْ
تِلْكَ الْوُجُوهُ عَلَيْهَا الدُّوْدُ تَنْتَقِلُ

قَدْ طَالَ مَا أَكَلُوْا دَهْرًا وَقَدْ شَرِبُوْا
وَأَصْبَحُوا الْيَوْمَ بَعْدَ الْأَكْلِ قَدْ أُكِلُوْا

ان لوگوں نے پہاڑوں کی بلندیوں پر راتیں گذاریں، اس حالت میں کہ مضبوط و توانا افراد اُن کی حفاظت کرتے تھے، لیکن اُن بلندیوں نے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہونچایا.

عزت (شان و شوکت) کے بعد وہ اپنے بلند و بالا محل سے اتار لئے گئے، اور پھر قبر کے گڑھے میں آباد کر دیئے گئے۔ افسوس کتنا برا اترنا تھا۔

جب وہ لوگ دفن کر دیئے گئے تو ایک منادی نے انھیں پکار کر پوچھا، کہ وہ زیورات، وہ تاج، وہ حلّے (وغیرہ) کہاں ہیں؟

وہ چہرے کہاں ہیں — جو نعمتوں میں ڈوبے ہوتے تھے۔

اور جن کے آگے پردے اور حجابات لٹکا دیئے جاتے تھے۔

جب سوال کرنے والے نے اُن کے بارے میں سوال کیا تو قبر نے ان لوگوں کے بارے میں فصاحت کے ساتھ جواب دیا کہ:

اُن چہروں پر تو (زمین کے) کیڑے اِدھر سے اُدھر منتقل ہو رہے ہیں۔

بہت طویل تھا وہ زمانہ جب یہ لوگ (خوب) کھاتے اور پیتے رہے۔

اب آج تو ان لوگوں کی حالت یہ ہو گئی ہے کہ پہلے کھاتے تھے

اب کھانے جا رہے ہیں (حشرات الارض کی غذا بن رہے ہیں)

راوی کا بیان ہے کہ امام علیہ السلام نے جو اشعار پڑھے ان کی حیرت انگیز تاثیر سے متوکل بھی رونے لگا' اور جو لوگ وہاں موجود تھے سب گریہ و بکا کرنے لگے۔

صاحب کتاب' المنتقا" لکھتے ہیں کہ جب امام علیہ السلام یہ اشعار پڑھ رہے تھے' جن کا ایک ایک فقرہ حکام جور کے لئے تازیانہ کی حیثیت رکھتا ہے' تو وہاں موجود بہت سے لوگ یہ سوچ رہے تھے کہ :

ان اشعار کو سن کر متوکل اس قدر طیش میں آجائے گا کہ یہاں موجود کسی شخص کے لئے جان کی امان نہ ہوگی۔

اور امامؑ کے خلاف تو یقیناً وہ کوئی نہایت سخت اقدام کر بیٹھے گا۔

مگر امامؑ کی ہیبت ایسی تھی' اشعار کی بلاغت اس درجہ کی تھی' اور امامؑ کا شعر پڑھنے کا انداز اس قدر حسین و جمیل تھا کہ متوکل عباسی بت بنا سنتا رہا۔

بلکہ صاحب "کنز الفوائد" کی روایت ہے کہ :

متوکل کے ہاتھ میں جو جام تھا' امامؑ کی زبان مبارک سے مذکورہ بالا اشعار کو سنتے ہی اس نے وہ جام زمین پر پھینک کر توڑ دیا ۔ اور غیر معمولی رنج و غم میں ڈوب گیا....

پھر امامؑ کو اس نے نہایت احترام کے ساتھ رخصت کر دیا۔

اس واقعے میں امام علیہ السلام کے چاہنے والوں کے لئے اور خاص طور

تبلیغی فرائض انجام دینے والوں کے لئے بڑا درس ہے۔
کہ کسی ظالم و جابر سے کبھی مرعوب نہ ہوں۔
کلمۂ خیر کہنے کا سلسلہ جاری رکھیں۔
وعظ و نصیحت کے موقع پر اس بات کو کوئی اہمیت نہ دیں کہ جسے نصیحت کی جارہی ہے وہ دنیاوی جاہ و حشم کے لحاظ سے کس مرتبے پر فائز ہے۔
بلکہ ہر حال میں صرف رضائے الٰہی کو پیش نظر رکھیں۔ اور وہی بات کہیں، جس کے بارے میں انھیں یقین ہو کہ اس بات کا ادا کرنا خوشنودیٔ خدا کا باعث ہوگا۔
پھر قدرت پر یقین رکھیں کہ وہی دراصل محافظ و پاسبان ہے، اور قرآن مجید میں اس کا یہ صریح وعدہ موجود ہے کہ:
وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔
(اور جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کریں، ہم اپنی راہوں کی طرف ان کی ضرور رہنمائی کریں گے)

امام علی نقیؑ کا عفو و درگذر

قرآن مجید میں خاصان خدا اور مقربین الٰہی کی توصیف ان الفاظ میں کی گئی ہے کہ :

وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ

(اور غصہ کو پی جانے والے، اور لوگوں کو معاف کردینے والے۔ اور اللہ تو احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)

چنانچہ ہمارے ہادیانِ برحق کی زندگی میں سینکڑوں ایسے مقامات نظر آتے ہیں، جہاں ان حضرات نے اپنے بدترین دشمنوں کی انتہائی خطاؤں سے درگذر فرمایا۔ اس جگہ ہم، اپنے دسویں امام، حضرت علی نقی علیہ السلام کے عفو و درگذر کی ایک درخشاں مثال کے طور پر اس تاریخی واقعہ کو نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں، جسے "اثبات الوصیۃ" نامی کتاب کے مؤلف نے اپنے اسناد کے ساتھ قلمبند کیا ہے۔

مسعودی کا بیان ہے کہ :

"جب امام علی نقی علیہ السلام مدینہ منورہ سے سُرّمن رای (سامرا) کی طرف روانہ ہو رہے تھے، تو اس موقع پر جو لوگ شہر کے باہر تک آپ کو الوداع کہنے کیلئے آپ کے ساتھ ساتھ گئے تھے، ان میں عباسی حکومت کی طرف سے حرمین (مسجد الحرام اور مسجد نبویؐ) کا پیشنماز بریحہ عباسی بھی تھا۔

راستے میں اُس نے امام علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ:

"مجھے پتہ چلا ہے کہ: آپ کے علم میں یہ بات ہے کہ میں نے ہی (آپ کے خلاف شکایت کی تھی) جس کے بعد آپ کو اس شہر سے روانہ ہونا پڑا ہے۔

میں بڑی سے بڑی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ: اگر آپ نے میری شکایت خلیفہ' یا اُس کے مصاحبین' یا اُن کے بیٹوں سے کی' تو میں آپ کے باغات اور نخلستانوں کو بیاں جلا کر راکھ کر دوں گا' آپ کے غلاموں اور آپ کے آدمیوں کو قتل کروا دوں گا' آپکی جاگیر کے چشموں کا پانی زمین دوز کرا دوں گا' اور (آپ کے خلاف ان اقدامات) میں ذرا کمی نہیں کروں گا۔

یہ سُن کر امام علیہ السلام اُس سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ:

"تجھے اللہ کی بارگاہ میں پیش کرنے کے لئے میرے پاس قریب ترین وقت' آنے والی رات ہے' اور میں ایسا نہیں کہ تجھ کو خداوند عالم کے سامنے پیش کرنے کے بعد' پھر اُس کی کسی مخلوق سے تیری شکایت کروں۔"

یہ سُن کر بریحہ سمجھ گیا کہ امام علیہ السلام آج کی رات' اُس کے خلاف بارگاہ معبود میں فریاد کرنے والے ہیں' اور اُسے یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ پروردگار عالم کی بارگاہ میں اِن کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ اگر کسی کے لئے بددعا کر دیں تو اس کی ہلاکت و بربادی یقینی ہے' اور پھر دنیا کی کوئی طاقت اُسے تباہی سے بچانے والی نہیں ہے۔۔ بریحہ اس تصور سے لرز اٹھا' آپ کے سامنے منہ کے بل گر پڑا' اور رونے و گڑگڑانے لگا اور آپ سے اپنی کوتاہیوں پر معافی کا طلب گار ہوا۔۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ "جاؤ۔ میں نے تمہیں معاف کیا۔"

(حوالہ کیلئے دیکھئے: "اثبات الوصیۃ" صفحہ ۲۲۵)

امامؑ کا ایک منفرد اندازِ جود و کرم

ہمارے ہادیانِ برحق حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام کے دل میں بندگانِ خدا کے لئے ایسی غیر معمولی شفقت تھی کہ وہ ان کی پریشانی دیکھ نہیں سکتے تھے اور اگر کوئی پریشاں حال انسان، اُن کے سامنے دستِ سوال پھیلائے تو ہر ممکن طریقے سے اس کی مدد کرتے تھے۔

حتیٰ کہ اگر خود تنگدستی کا شکار ہوں، کسی فلوک الحال کو دینے کے لئے اپنے پاس کچھ بھی نہ ہو تو ایسی راہیں تلاش کرتے تھے، جس سے بندگانِ خدا کی ضروریات پوری ہو جائیں۔

حضرت امام علی النقیؑ کے لئے، مؤرخین نے اس سلسلہ میں ایک منفرد واقعہ ذکر کیا ہے۔

شیخ اربلی کی روایت ہے کہ:

حضرت امام علی نقی علیہ السلام جب زمانہ "سر من رای" میں زندگی گذار رہے تھے۔

ایک روز آپ کسی کام سے شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔

اسی دوران، کوفہ کے اہلِ عرب میں سے ایک شخص امام علیہ السلام سے ملاقات کے لئے "سر من رای" (سامرا) پہونچا۔

جب واردِ شہر ہوا تو لوگوں نے اُسے بتایا کہ امام علیہ السلام شہر سے باہر فلاں بستی میں تشریف فرما ہیں۔

وہ شخص وہاں چلا گیا، جب امامؑ کی خدمت میں پہنچا تو گذارش کی، کہ :
"میں کوفہ کا رہنے والا ہوں، آپ کے جد حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ولایت سے متمسک لوگوں میں سے ہوں، اور میں ان دنوں، ایک سنگین قرضے سے دوچار ہوں۔
معاملہ اتنا سخت ہے، اور قرض کی ادائیگی اس قدر مشکل ہے جو میرے امکان میں نہیں (چنانچہ) اس صورتحال کی سنگینی میں مجھے آپ کے علاوہ، کوئی اور ایسا شخص نظر نہیں آتا۔ جو میری مشکل کو حل کر سکے۔
امام علیہ السلام نے اس شخص کو تسلی و تشفی دی۔ اُسے اسی بستی میں مہمان رکھا...
اس شخص نے اپنے قرض کی جو مقدار بیان کی تھی وہ بہت زیادہ تھی، اور امامؑ کے پاس اس وقت اتنی رقم موجود نہیں تھی۔
لیکن جو شخص اس قدر دور دراز کا سفر اختیار کر کے آیا تھا، اسے محروم بھی نہیں کر سکتے تھے۔
ویسے بھی اس دروازے سے کوئی سائل کبھی محروم واپس نہیں جاتا تھا۔
چنانچہ امام علیہ السلام نے اس شخص کے قرض کی ادائیگی کے لئے ایک منفرد تدبیر اختیار کی۔
اس سے فرمایا کہ :
"مجھے تم سے ایک کام ہے۔ تمہیں خدا کی قسم (دیتا ہوں) کہ اس کی مخالفت نہ کرنا (اور جیسے میں کہتا ہوں، ویسے ہی عمل کرنا)
اُس نے وعدہ کر لیا کہ میں مخالفت نہیں کروں گا (آپ ارشاد فرمائیے)
اس کے بعد آپ نے اپنے دست مبارک سے ایک تحریر لکھی جس کا مضمون یہ تھا کہ : "فلاں شخص (اس جگہ اس اہلِ عرب کا نام لکھا) کو اتنی رقم ادا کرنا میرے ذمہ ہے۔"

(اُس اہلِ عرب نے قرض کی جو رقم بتائی تھی، اس سے زیادہ کی ذمہ داری آپ نے لے لی۔ پھر اس اہلِ عرب سے کہا کہ اس تحریر کو اپنے پاس رکھو۔

جب میں سامرا پہنچوں، تو جس وقت لوگ میری ملاقات کے لئے آئے ہوں اُس وقت یہ تحریر لے کر میرے پاس آنا، اور مجھ سے سختی سے مطالبہ کرنا کہ اس خط میں جو رقم لکھی ہوئی ہے، آپ اُسے ادا کریں۔

دیکھو جیسے میں کہہ رہا ہوں، ویسے ہی عمل کرنا، خدا کے واسطے اسکی مخالفت نہ کرنا۔

اس اہلِ عرب نے کہا کہ: میں آپ کے فرمان کے مطابق عمل کروں گا۔

خط لے کر وہ چلا گیا۔ پھر جب امام علیہ السلام سامرا پہونچے، اور اس نے لوگوں سے دریافت کرلیا، کہ فلاں وقت شہر کے معززین اور عمائدین امامؑ کے پاس حاضر خدمت ہوں گے۔

وقتِ مقررہ پر وہ شخص آگیا، اس وقت امام علیہ السلام کے پاس شہر کے چیدہ چیدہ افراد بھی جمع تھے، اور حکومت کے نمائندے بھی آپؑ کی زیارت کو آئے ہوئے تھے۔

اس شخص نے بھرے مجمع میں، امام کی خدمت میں وہ تحریر پیش کردی اور امامؑ کے عطا کردہ دستور کے مطابق اس رقم کی ادائیگی کا سختی سے مطالبہ کیا۔

امامؑ نے نہایت نرمی کے ساتھ جواب دیا کہ "میں یہ رقم ضرور ادا کردوں گا بلکہ تمہارے دل کو خوش بھی کردوں گا۔

جس کے بعد وہ شخص امامؑ کے پاس سے رخصت ہو کر شہر میں کہیں اور مقیم ہوگیا۔

سلطنت کے جو ارکان امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، سب نے دیکھا کہ دور دراز سے آیا ہوا شخص امامؑ سے کسی رقم کا مطالبہ کر رہا ہے، تحریر بھی دکھا رہا ہے، اور امام علیہ السلام اُس سے وعدہ بھی فرما رہے ہیں کہ: تمہاری رقم ادا کرونگا لیکن چونکہ رقم موجود نہیں ہے، اس لئے اس وقت رقم کی ادائیگی نہیں فرمائی۔

جب حاکمِ وقت تک خبر پہونچی، تو اس نے ایک بڑی رقم امامؑ کی خدمت میں بھیجی:

جسے امام علیہ السلام نے رکھوا دیا۔

جب وہ اہلِ عرب آیا تو وہ پوری رقم اُس کے سپرد فرمائی۔ اور کہا کہ:

جتنا قرض ہے وہ اس رقم سے ادا کر دو، اور باقی رقم اپنی ضروریات پر خرچ کرنا۔

اس نے عرض کیا: فرزندِ رسول میرے ذمہ جو قرض ہے وہ تو اس رقم کے ایک تہائی مقدار سے بھی کم ہے۔

پھر آپ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے وہ پوری رقم لے کر، روانہ ہو گیا۔

اس واقعہ پر غور کرنے سے چند باتیں واضح ہوتی ہیں۔

- بندگانِ خدا، خصوصاً صاحبانِ ایمان، جب کسی پریشان کن صورتحال سے دوچار ہوتے ہیں تو وہ اپنے ہادیانِ برحق کو یاد کرتے ہیں۔
- انھیں یقین ہوتا ہے کہ جس پریشانی کو، کوئی دور نہیں کر سکتا، اُسے بھی ہمارے ائمہ طاہرینؑ دُور کر سکتے ہیں اور مسئلہ کو حل کر سکتے ہیں۔
- ان ہادیانِ برحق کا دل، اہلِ ایمان کی محبت سے لبریز ہوتا ہے۔
- اگر ان کے پاس رقم نہ ہو، تب بھی سائل کو محروم نہیں کرتے۔
- یہ حضرات دوسرے اہلِ ایمان کی پریشانی کو اپنی پریشانی کے مانند سمجھتے ہیں۔
- امام علیہ السلام نے کوفہ سے آنے والے شخص کو ایسا وثیقہ تحریر فرمایا، جسے دیکھنے والا یہ سمجھے کہ اس شخص کا گویا امامؑ کے ذمہ کوئی قرض باقی ہے۔

  اور یہ امامؑ کے انتہائی جود و کرم کی علامت ہے۔
- امامؑ نے اس پریشان حال شخص کو، جو آپ کا عقیدت مند، اور آپؑ کے

آباؤ اجداد کی ولایت کا اقرار مند تھا۔ اس بات کا پابند تھا کہ: جو رقم میں نے اس وثیقہ میں لکھی ہے، اس کا مجھ سے سختی سے مطالبہ کرنا۔

● - چونکہ یہ اندیشہ تھا کہ وہ آپکے احترام کی وجہ سے ایسا کرنے سے گریز کریگا اس لئے اسے خدا کا واسطہ دے کر اس کا پابند بنایا۔

● - امامؑ سے جو لوگ ملاقات کے لئے آتے تھے ان میں حکومت کے جاسوس بھی ہوتے تھے، جنھوں نے فوراً حاکم وقت کو اس معاملے کی اطلاع دی

● - حاکم وقت، اپنی دیرینہ عداوت کے باوجود لوگوں پر یہی ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ امامؑ سے عقیدت رکھتا ہے۔

اس لئے اس نے اس مومن کے قرض کی ادائیگی کے لئے امامؑ کے پاس ایک بڑی رقم بھیج دی۔

● - وہ رقم اُس مومن کے قرض سے کئی گنا زیادہ تھی، لیکن امام علیہ السلام نے وہ پوری رقم اس شخص کو دے دی۔

جسے لیکر وہ انتہائی مسرت کے ساتھ دعا دیتا ہوا اپنے گھر واپس گیا۔

کسی شخص کے ذہن میں یہ خیال نہ آئے کہ:

امام علیہ السلام نے حاکم وقت کی بھیجی ہوئی رقم کیوں قبول کی؟

کیونکہ امامؑ نے وہ رقم اپنے لئے قبول نہیں فرمائی تھی۔

بلکہ اُس پریشاں حال شخص کی پریشانی دور کرنے کیلئے قبول کی تھی۔

اور وہ رقم اس حاکم کی ذاتی نہیں تھی، بلکہ بندگانِ خدا کا مال تھا، جس پر اُس نے غاصبانہ قبضہ کر رکھا تھا، جس کا ایک حصہ اُس نے بھیجا، اور امام علیہ السلام نے اس پریشان بندۂ خدا کے سپرد کر دیا۔

فقہی اصطلاح کے مطابق اسے "استنقاذ" بھی کہا جا سکتا ہے۔

محدث خبیر آقائے شیخ عباس قمی علیہ الرحمہ نے اس واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد حضرت خضر علیہ السلام کے ایک خاص واقعے کا تذکرہ کیا ہے۔
جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پریشان حال بندوں کی پریشانیوں کو دور کرنے کے لئے خاصانِ خدا، ہادیانِ برحق اپنی ذات پر کیسی کیسی زحمتیں برداشت کرتے ہیں۔
اس واقعہ کو دیلمی نے "اعلام الدین" نامی کتاب میں لکھا ہے:
ابوامامہ کی روایت ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے حضرت خضرؑ کے بارے میں لوگوں کو بتایا کہ:
ایک روز آپ، بنی اسرائیل کے ایک بازار سے گذر رہے تھے کہ آپ پر ایک غریب اور مسکین کی نظر پڑی، تو اس نے آپ سے درخواست کی، کہ:
"مجھے کچھ صدقہ دیجئے۔ خداوند عالم آپ کو برکت دے گا۔
حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ۔ "خداوند عالم کی عطا پر میرا ایمان ہے۔ لیکن اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے کہ تمہیں دے سکوں۔
وہ غریب آدمی کہنے لگا کہ: "آپ کو خدا کا واسطہ مجھے کچھ ضرور صدقہ دیجئے۔ میں آپ کے چہرۂ انور پر خیر کی علامتیں دیکھ رہا ہوں، اور مجھے آپ کی ذاتِ اقدس سے ہر بھلائی کی امید ہے۔
حضرت خضرؑ نے فرمایا: بیشک خداوند عالم کے نام سے جو، تم نے مجھ سے سوال کیا ہے، اس کی بزرگی پر میرا ایمان ہے۔ لیکن میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جو تمہیں دے سکوں۔ البتہ تم یہ کر سکتے ہو کہ مجھے کسی کے حوالے کر دو (جس کی میں غلامی کروں۔ اس کی خدمت انجام دوں) اور تم اس سے

اس کے عوض کچھ رقم لے لو۔ؔ

اس غریب آدمی نے کہا کہ : ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔؟

حضرت خضرؑ نے فرمایا کہ ، تم نے چونکہ خدا کا واسطہ دیا ہے) یہ ایک بڑی بات ہے۔ لہٰذا مجھے کسی کے حوالے کرکے رقم حاصل کرلو۔

جس کے بعد دونوں بازار کے اندر گئے ، اور اس غریب آدمی نے حضرت خضرؑ کو کسی خریدار کے سپرد کرکے چار سو درہم حاصل کرلئے۔

حضرت خضرؑ کافی عرصہ تک اس شخص خریدار کے پاس رہے لیکن وہ اُن سے کوئی کام نہیں لیتا تھا۔

ایک روز آپؑ نے اس سے کہا کہ۔

" بھائی ۔ تم نے مجھ پر رقم خرچ کی ہے تاکہ مجھ سے کام لے سکو۔ تو اب کوئی کام بھی تو میرے سپرد کرو (جسے میں انجام دوں)

اس نے کہا کہ : آپ بزرگ اور سن رسیدہ آدمی ہیں ، مجھے آپ کو کسی کام کی زحمت دینا اچھا معلوم نہیں ہوتا۔

آپؑ نے فرمایا کہ (کوئی بات نہیں ۔ مجھے کام بتاؤ۔ انشاء اللہ) تم مجھے کسی زحمت میں نہیں ڈالو گے (بلکہ تم جو کچھ کہو گے۔ میں آسانی سے انجام دے دوں گا)

اس نے کہا : اچھا تو ذرا اٹھیے ، اور ان پتھروں کو یہاں سے منتقل کردیجئے۔

پتھر اتنے زیادہ ، اور وزنی تھے کہ اگر چھ آدمی سارا دن انھیں منتقل کرنے میں لگے رہتے ، تب وہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتا تھا۔

لیکن جناب خضرؑ اٹھے ، اور ایک گھنٹے کے اندر ہی سارے پتھر منتقل کردیئے۔

لہ : یہ اس دور کی بات ہے۔ جب انسانوں کی خرید و فروخت رائج تھی ۔ اور لوگ اپنے لئے خدمت گار خریدا کرتے تھے۔

جسے دیکھ کر وہ شخص بہت خوش ہوا اور آپ کی تعریف کرتے ہوئے کہنے لگا کہ آپ نے تو ایسا زبردست کام انجام دیا ہے جسے انجام دینے کی کسی اور میں تو طاقت ہی نہیں تھی۔

کچھ عرصہ بعد اس آدمی کو سفر پر جانا پڑا تو وہ حضرت خضرؑ سے کہنا لگا کہ:

مجھے اطمینان ہے کہ آپ ایک امانت دار انسان ہیں، لہٰذا جتنے دنوں میں یہاں نہیں رہوں گا، امید ہے کہ آپ میری جانشینی کے فرائض، خوش اسلوبی سے انجام دینگے۔

اور میں آپ کو، کسی قسم کی زحمت میں ڈالنا نہیں چاہتا کہ آپکے ذمہ کوئی کام سپرد کروں،

حضرت خضرؑ نے فرمایا کہ (کوئی کام ہو تو بتا دو) مجھے کوئی زحمت نہیں ہوگی۔

اس شخص کا ارادہ تھا کہ سفر سے واپسی پر ایک مکان بنائے گا، جس کے لئے اینٹیں تیار کرانی تھیں۔

کہنے لگا کہ: اچھا ایسا کیجئے کہ: میرے واپس آنے تک کچھ اینٹیں تیار کر لیجئے۔

اس کے بعد وہ شخص روانہ ہو گیا۔

اور حضرت خضرؑ نے نہایت مختصر سے وقت کے اندر اینٹیں تیار کر کے اس کے لئے ایک نہایت اور عمدہ مکان بنا دیا۔

جب وہ شخص واپس آیا، اور اس قدر مستحکم بنیادوں پر قائم عمارت دیکھی (جو اتنی مختصر مدت میں کوئی اور شخص بنا ہی نہیں سکتا تھا)

تو اس نے آپ سے عرض کیا کہ:

"آپ کو خدا کا واسطہ دیکر سوال کرتا ہوں کہ بتایئے۔ آپ کون ہیں۔ اور کیا کام کرتے ہیں (دنیز) آپ اپنی روداد بیان کیجئے۔"

یہ سُن کر حضرت خضرؑ نے فرمایا کہ: "تم نے بہت بڑی ذات کا واسطہ دے کر دریافت کیا ہے، اور اسی ذات کے واسطے کی بنا پر میں تمہاری خدمت گذاری میں آیا تھا۔ اب تم نے اُسی کا واسطہ دے کر سوال کیا ہے تو بیان کرتا ہوں کہ:

"میں وہی خضرؑ ہوں جن کا ذکر تم سنتے ہو۔

ایک غریب آدمی نے مجھ سے کچھ مانگا، اس وقت میرے پاس کوئی رقم نہیں تھی، لیکن اس نے مجھے خداوندِ عالم کا واسطہ دے دیا، تو میں نے اس سے کہا کہ بازار چلو۔ مجھے کسی کی خدمت گاری میں دے دو۔ اور اس کے عوض کچھ رقم حاصل کرلو۔

چنانچہ اس نے مجھے تمہارے سُپرد کردیا۔ اور رقم لے کر چلا گیا۔

"اب میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں اور وہ یہ کہ:

"اگر کوئی شخص کسی کو خدا کا واسطہ دے کر کچھ مانگے، اور وہ شخص قدرت رکھتے ہوئے بھی اُس کے سوال کو رُد کر دے، تو روزِ قیامت خداوندِ عالم کی بارگاہ میں اس طرح پیش ہوگا کہ اس کے چہرے کی کھال اور گوشت، سب کچھ ختم ہو چکا ہوگا، صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ کھڑا ہوگا۔ جو اضطراب کی حالت میں ہل رہا ہوگا۔

یہ سن کر وہ آدمی آپ سے معذرت کرنے لگا کہ: میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا، آپ کو زحمت دی!!۔

حضرت خضرؑ نے فرمایا: کوئی بات نہیں۔ تم نے مجھے اپنے پاس رکھا، اور میرے ساتھ نیکی کا سلوک کیا۔

یہ سُن کر اس آدمی نے کہا کہ: "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ اب آپ کو اختیار ہے، میرے گھر والوں اور میرے اموال کے بارے میں جو چاہیں،

حکم صادر فرمائیں۔
(آپ یہیں تشریف رکھنا چاہیں تو رکھیں۔ اور جو دستور آپ فرمائیں گے،
ہم لوگ اس پر عمل کریں گے) اور اگر جانا چاہیں تو آپ کی مرضی:
حضرت خضرؑ نے فرمایا کہ: نہیں۔ مجھے آزادی دو۔ کہیں جاکر خدا کی عبادت
میں مصروف رہوں۔
اور اس آدمی نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔
جس کے بعد حضرت خضرؑ نے خدا کا شکرادا کیا اور روانہ ہوگئے۔

ان دونوں واقعات میں تمام لوگوں کیلئے، خصوصاً اہل ایمان کے لئے ہدایت
کا پورا سامان موجود ہے کہ:
کوئی حاجت مند انسان ان سے سوال کرے تو جو کچھ ہو سکے، اس کے لئے
کریں۔ اُسے محروم واپس نہ کریں۔
خصوصاً اگر اس نے خدا کا واسطہ دیکر سوال کیا ہو۔
کیونکہ "خدا کا واسطہ" معمولی بات نہیں ہے۔
یہ اور بات ہے کہ پیشہ ور لوگوں نے اُسے ایک رسمی جملہ بنا رکھا ہے، جسکی
بنا پر ہم حدیث میں یہ فقرہ بھی پڑھتے ہیں کہ:
لَوْلَا کَذِبُ الْفُقَرَاءِ لَهَلَکَتِ الْاَغْنِیَاءُ۔
لیکن اگر کوئی شخص واقعاً پریشان حال ہو، اور اللہ کا واسطہ دے کر اپنی حاجت
بیان کرے تو جو کچھ امکان میں اس کے لئے کرنا چاہیئے، اور نامِ خدا کی بزرگی کا پاس
لحاظ بہرحال رکھنا چاہیئے۔

قدرت کی طرف سے امامؑ کی حفاظت کا خصوصی اہتمام

یوں تو بارہویں تاجدارِ امامت کے علاوہ، ہمارے تمام ائمہ طاہرین علیہم السلام درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ کسی کو تلوار سے شہید کیا گیا، اور کسی کو زہر سے۔

لیکن قدرت کی طرف سے ان کی شہادت کا جو وقت مقرر تھا اس سے پہلے ان حضرات کے دشمنوں نے جتنی بھی کوششیں کیں، وہ سب ناکام ثابت ہوئیں، اور خداوندِ عالم نے اپنے ہادیٔ برحق، اور امامِ وقت کی حفاظت و پاسبانی کا خصوصی اہتمام بھی فرمایا۔

امام علی نقی علیہ السلام کو متوکل عباسی نے شہید کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ لیکن چونکہ اس کے عہد میں آپؑ کی شہادت لوحِ محفوظ میں ثبت نہیں تھی، اس لئے اس کی تمام کوششیں رائیگاں ثابت ہوئیں، اس کا ہر ہتھکنڈا بے نتیجہ رہا، اور اور قدرت نے آپؑ کی حفاظت کا خصوصی انتظام فرمایا۔

ہم یہاں صرف ایک واقعہ بیان کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں، جس سے اندازہ ہوگا کہ خداوندِ عالم نے کس طرح سے متوکلؑ عباسی کے اقدام کو ناکام بنایا۔

قطب راوندی نے فضل بن احمد کاتب سے نقل کیا ہے، اور انہوں نے اپنے والد احمد بن اسرائیل سے، جو متوکلؑ کے بیٹے معتز باللہ کے منشی تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ: ایک دن میں معتز باللہ کے ساتھ متوکلؑ کی نشست گاہ پر

گیا' اس وقت وہ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا' اور اس کا وزیر فتح بن خاقان اُسکے پاس ہی کھڑا تھا۔

معتزؒ نے متوکلؒ کو سلام کیا۔ اور کھڑا ہو گیا' میں بھی اس کے پیچھے کھڑا رہا۔

عام طور سے ہوتا یہ تھا کہ جب بھی معتز باللہ متوکلؒ کے پاس آتا تھا تو۔ متوکلؒ اسے مرحبا کہتا تھا' اور اپنے پاس ہی بٹھاتا تھا۔

لیکن اس دن وہ اس قدر غیظ و غضب کے عالم میں تھا کہ اس کا چہرہ بگڑا ہوا تھا' اور اس نے معتز باللہ پر کوئی توجہ نہ دی۔

فتح بن خاقان سے مسلسل باتیں کر رہا تھا اور کہتا تھا کہ۔

تم اُن کی حمایت کرتے ہو جب کہ انھوں نے یہ کیا' یہ کیا ؟!

فتح بن خاقان ہر ممکن کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح اُس کے غصّے کو ٹھنڈا کرے۔ چنانچہ اس نے متوکلؒ سے کہا کہ:

"جو باتیں اُن کے بارے میں آپ سے کہی گئی ہیں' سب بہتان اور افترا ہے' وہ ان تمام باتوں سے بری الذمہ ہیں۔

لیکن متوکلؒ کوئی بات سننے کو تیار ہی نہیں تھا۔ اس نے انتہائی اشتعال انگیز طریقے سے قسم کھائی کہ:

" میں انھیں قتل کر کے رہوں گا۔

ان کا دعویٰ بے بنیاد ہے۔

ہماری حکومت کے خلاف رخنہ اندازی کی جارہی ہے۔

❁

اس کے بعد اُس نے چار نہایت خونخوار اور اُجڈ قسم کے غلاموں کو بلایا

جو کچھ بھی سمجھتے نہ ہوں (اور عربی زبان سے بھی واقف نہ ہوں، نہ کسی کا پاس و لحاظ کرنے والے ہوں)

جب وہ چاروں غلام آگئے تو اس نے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک تلوار دی، اور انھیں حکم دیا کہ:

جیسے ہی امام علی نقیؑ یہاں پہنچیں، تم انھیں قتل کر دینا۔

پھر اس نے اپنے آدمیوں کو بھیج کر امامؑ کو بلوایا۔

ایک گھنٹہ کے بعد دربان نے آکر خبر دی کہ: وہ تشریف لے آئے ہیں۔

راوی کہتا ہے کہ اسی اثنا میری نگاہ امام علیہ السلام پر پڑی تو میں نے دیکھا کہ آپ کے لب ہل رہے تھے، آپ کوئی دعا پڑھ رہے تھے، چہرہ پر انتہائی سکون و اطمینان تھا، کسی قسم کے خوف یا اضطراب کا کوئی نشان بھی نظر نہیں آرہا تھا۔

متوکل، جو اب تک آپؑ کے خلاف غصے سے پیچ و تاب کھا رہا تھا حلفیہ کہہ رہا تھا کہ میں انھیں قتل کر کے رہوں گا۔ اور چاروں غلاموں کو اس کام پر مامور کر کے اُن کے ہاتھوں میں تلوار دے بھی چکا تھا۔

لیکن جیسے ہی اس کی نگاہ امامؑ پر پڑی، اُس پر کچھ ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ اپنے تخت سے نیچے اتر آیا۔ تیزی سے آگے بڑھ کر امامؑ کا استقبال کیا۔

آپؑ سے گلے لگا، آپ کے ہاتھوں کا بوسہ دیا۔ پیشانی کو چوما......

اور کہنے لگا کہ:

اے میرے آقا۔ اے فرزندِ رسولؐ۔ اے تمام مخلوقات میں سب سے

بہترانسان۔ اے میرے ابنِ عمّ۔ اے مولاؑ۔ اے ابوالحسنؑ...
آپؑ نے اس وقت کیسے زحمت فرمائی۔ ؟
امام علیہ السلام نے فرمایا کہ : "تمہارا نمائندہ آیا تھا، اور اس نے بتایا کہ متوکلؑ نے آپؑ کو طلب کیا ہے :
کہنے لگا کہ وہ جھوٹ بولتا ہے...
"اے میرے سیّد و سردار، آپ اپنے بیت الشرف تشریف لے جائیے۔
پھر اپنے وزیر کو مخاطب کر کے بولا۔
"اے فتح بن خاقان، اے عبد اللہ، اے معتز۔ جاؤ، میرے اور اپنے آقا کو رخصت کرو (دروازے تک پہونچاؤ)
اسی طرح جن غلاموں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ آپؑ کو قتل کریں۔ جب امامؑ کے چہرہ اقدس پر اُن کی نگاہ پڑی، تو وہ آپؑ کی ہیبت وجلالت سے آپؑ کے قدموں میں گر پڑے، اور تعظیم بجالانے لگے۔
جب آمام وہاں سے رخصت ہو کر تشریف لے گئے، تو متوکلؑ نے اُن غلاموں کو بلایا اور چونکہ وہ سب عربی نہیں سمجھتے تھے، اس لئے ترجمان سے کہا کہ :
"ان غلاموں سے دریافت تو کرو کہ جب میں نے انھیں حکم دیا تھا کہ امامؑ جیسے ہی تشریف لائیں تو یہ چاروں غلام اُن کو قتل کر دیں، پھر کیا وجہ ہوئی کہ ان سب نے انھیں قتل نہیں کیا۔ ؟
اُن سب نے جواب دیا کہ امامؑ کی ہیبت وجلالت نے ہمیں بے بس کر دیا تھا۔ کیونکہ وہ جب یہاں تشریف لائے تو اُن کے ارد گرد سو سے زیادہ، ایسے قوی ہیکل افراد تلوار اٹھائے ہوئے چل رہے تھے جن کو دیکھنے کی بھی ہم اپنے

اندر ہمت نہیں پا رہے۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر امکان ہی کہاں تھا کہ ہم تعمیلِ حکم کر سکتے' ہمارا دل تو اُن کے خوف اور دبدبہ سے دہل رہا تھا۔

اس کے بعد متوکل نے فتح بن خاقان کی طرف رُخ کر کے کہا۔

(یقیناً) یہ تمہارے امامؑ ہیں!

فتح کو اس بات کی خوشی تھی کہ امام علیہ السلام اس ناگہانی آفت سے محفوظ رہے' چنانچہ وہ خداوند عالم کا شکر بجالایا۔

استجابتِ دُعا

انبیائے کرام اور ائمۂ طاہرین علیہم السلام کو پروردگارِ عالم کی بارگاہ میں وہ قدر و منزلت و تقرب حاصل ہے کہ انکی دُعا کبھی رد نہیں ہو سکتی۔

اگر کسی کے حق میں دُعا مانگیں تب بھی مستجاب ہوگی، اور کسی کے خلاف فریاد کریں، تب بھی اُس کا اثر ظاہر ہو کر رہے گا۔

جس کی مثالیں تاریخ کے صفحات پر بکھری ہوئی ہیں، ہم یہاں صرف ایک واقعہ کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں، جو حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ سے متعلق ہے۔

سید بن طاؤس اور دیگر حضرات کا بیان ہے کہ جب متوکل عباسی نے فتح بن خاقان کو اپنا وزیر منتخب کیا تو اُس کی شان و شوکت کے اظہار کے لئے خصوصی اہتمام کیا۔

لیکن اس شان و شوکت کے اظہار میں، ایسا طریقہ اختیار کیا جس سے امام علی نقی علیہ السلام کی قدر و منزلت کو لوگوں کی نگاہ میں کم کرنا مقصود تھا۔

گویا اپنی باطنی عداوت کے اظہار کیلئے فتح بن خاقان کی وزارت اور اس کی شان و شوکت کے تمام ساز و سامان کو اس نے بہانہ بنایا تھا۔

سخت گرمیوں کا زمانہ تھا، تمازتِ آفتاب انتہائی سخت تھی، متوکل نے اپنے

وزیر فتح بن خاقان کو ساتھ لیا، وہ دونوں سواری پہ بیٹھے، اور اس نے حکم دیا کہ باقی جتنے امرا، حکام، علما، سادات واشراف اور اعیانِ حکومت ہیں وہ اُس کی سواری کے ساتھ پیدل چلیں۔

بدسرشت متوکل نے، درحقیقت صرف امامؑ کی ایذا رسانی کے لئے یہ سارا ڈھونگ رچایا تھا۔

اُس کے دربان زرافہ کا بیان ہے کہ میں نے اس روز امام علیہ السلام پر بہت سختی دیکھی، پیدل چلتے چلتے آپ پر تکان کے آثار نمایاں تھے، پیشانی عرق آلود تھی، چہرۂ اقدس پسینے سے تر تھا، اور آپ بہت زحمت کے ساتھ چل رہے تھے۔ میں آپ کے نزدیک گیا اور گذارش کی۔

"اے فرزندِ رسولؐ! اس قدر سخت گرمی و تپش کی حالت میں، آپ زحمت کیوں اٹھا رہے ہیں؟"

یہ سُن کر امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ:

"یہ لوگ صرف میرا استخفاف کرنا چاہتے ہیں، لیکن انھیں یاد رکھنا چاہیئے کہ میرے بدن کی حرمت خداوندِ عالم کے نزدیک ناقۂ صالح سے کم نہیں ہے۔"

ایک اور روایت کے مطابق آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

"میرے ناخن کا ایک ٹکڑا، خداوندِ عالم کی بارگاہ میں ناقۂ صالح اور اُس کے بچے سے زیادہ معزز و محترم ہے۔"

زرافہ کہتا ہے کہ جب میں اپنے گھر واپس پہنچا، اور اپنے بچے کے استاد سے، جس کے بارے میں مجھے خیال تھا کہ وہ شیعہ ہے۔ یہ واقعہ بیان کیا، تو اس نے مجھے قسم دے کر پوچھا کہ:

"کیا تم نے واقعاً امام علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے یہی الفاظ سُنے ہیں؟

میں نے بھی حلفیہ کہا کہ : ہاں میں نے یہی سنا ہے۔
اس معلم نے مجھ سے کہا کہ : "پھر تم اپنے بارے میں غور وفکر کرو (اور اپنے ساز وسامان کی تیاری میں لگ جاؤ۔ کیونکہ) متوکل تین روز میں ھلاک ہو جائے گا۔
لہٰذا تم کچھ ایسی تدبیریں کر لو، کہ اس کی ہلاکت کی صورت میں تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے۔
اس معلم سے میں نے پوچھا کہ۔ "تم کس بنیاد پر یہ باتیں کہہ رہے ہو۔؟
تو اس نے کہا کہ اس بنیاد پر کہ : امام علیہ السلام کوئی بات خلافِ حقیقت نہیں فرماتے۔ اور قوم صالح کے سلسلے میں خداوندِ عالم نے فرمایا تھا کہ:
وَتَمَتَّعُوا فِیْ دَارِکُمْ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ (تم لوگ اپنے گھر میں تین دن مزے کر لو)
اور جن لوگوں نے جناب صالحؑ کے ناقہ کو پے کیا تھا، وہ اس واقعہ کے تین دن بعد ہلاک کر دیئے گئے تھے۔

زراف کہتا ہے کہ : (میں چونکہ متوکل کا دربان تھا، اس لئے اس کے خلاف) یہ باتیں سن کر میں نے اس معلم کو گالی دے کر گھر سے نکال دیا۔
لیکن جب وہ چلا گیا، تو میں نے سوچنا شروع کیا۔ اور میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ :
" یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ جو کچھ معلم نے بیان کیا ہے۔ ٹھیک ہی ہو!۔
اب اگر میں اپنے معاملات کے سلسلہ میں کچھ احتیاطی تدابیر اختیار کر لوں، تو نقصان سے محفوظ رہ سکتا ہوں۔

تو جہاں جہاں میرا مال اسباب تھا، میں نے سب کچھ اکٹھا کیا، اور تین دن گذرنے کا انتظار کرنے لگا۔

جب تیسرا دن نمودار ہوا تو متوکل کے بیٹے معتز عباسی نے اپنے مخصوص غلاموں، اور ترکی فوجیوں کے ساتھ متوکل کے محل میں داخل ہو کر آئے اور اس کے خاص وزیر فتح بن خاقان کو تلواروں کی زد پہ لے کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

اس واقعہ کا مشاہدہ کرنے کے بعد میں بھی امام علیہ السلام کی امامت کا معتقد ہو گیا، اور مذہب شیعہ اختیار کر کے امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

میرے اور اُس معلم کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی وہ امامؑ سے بیان کی۔

امامؑ نے جواباً فرمایا کہ: اُس معلم نے ٹھیک کہا تھا، میں نے اُس دن (اُن لوگوں پر) نفرین کی تھی، اور پروردگارِ عالم نے (میری فریاد سُن لی) میری دعا قبول کی۔

آئیے۔ ذرا تاریخ کی ورق گردانی کر کے یہ بھی پتہ چلائیں کہ یہ شخص کیسا تھا۔ جس پر امامؑ نے نفرین فرمائی اور بارگاہِ معبود میں امامؑ کی فریاد کے نتیجے میں وہ ھلاک ہو کر داصلِ جہنم ہوا۔

اس سلسلہ میں تاریخ نے نہایت تفصیل کے ساتھ اُس کے جور و جفا کی داستانیں قلم بند کی ہیں، جن کا خلاصہ ہم محدث خبیر آقائے شیخ عباس قمیؒ کی زبانی یہاں نقل کرتے ہیں۔

(تفصیلات موصوف کی کتاب "تتمۃ المنتہیٰ" میں دیکھی جا سکتی) وہ لکھتے ہیں کہ: حضرت امام علی نقیؑ کو متوکل کی طرف سے جن

ایذا رسانیوں کا سامنا کرنا پڑا' وہ اس قدر سنگین اور ناقابلِ برداشت ہیں کہ ہمارے قلم میں اُن کو بیان کرنے کی بھی طاقت نہیں۔

وہ تکلیفیں بھی جو اس نے خود امام علیہ السلام کو پہونچائیں

وہ اذیتیں بھی جو شیعیانِ اہلبیتؑ کو برداشت کرنا پڑیں۔

وہ مظالم بھی جو علویین پر ڈھائے گئے۔

وہ چیرہ دستیاں بھی جو اولادِ حضرت فاطمہؑ کے ساتھ روا رکھی گئیں۔

اور وہ تمام اندوہناک واقعات بھی جو اہلبیتؑ سے محبت کرنے والوں کو پیش آئے۔

حقیقت یہ ہے کہ متوکل، بنی عباس کے حکمرانوں میں سب سے زیادہ بدسرشت، برائیوں کا خوگر، اور سفاک ترین شخص تھا۔

حضرت امیر المومنین علیؑ بن ابی طالبؑ نے مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں جو پیشین گوئیاں فرمائی ہیں اُن میں اسے بنی عباس کا مردِ خبیث قرار دیا گیا ہے۔

نہایت پست فطرت' اور کینہ توز انسان تھا۔

حضرت ابوطالبؑ کی تمام اولاد سے اس کو انتہائی عداوت تھی ـــــ ذاتی بدگمانیوں اور لوگوں کی نہایت بیجا الزام تراشیوں پر انھیں گرفتار کرا لیتا تھا۔ اور اُن کو اذیت پہونچانے اور پریشان کرنے کے لئے انتھک کوشش کرتا تھا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضۂ اقدس اور امامؑ کے زائرین سے تو اسے دلی عناد تھا' اس نے ہر ممکن طریقے سے چاہا کہ روضۂ اقدس کے آثار

مٹ جائیں، نیز جو لوگ امامؑ کی زیارت کے لئے کربلائے معلّیٰ جایا کرتا تھا، انھیں سخت اذیت پہونچاتا تھا۔

برادرانِ اہلسنت کے عالم دین نے اپنی کتاب "اخبار الدول" میں لکھا ہے کہ ۔۔۔"

۲۳۶ھ میں متوکل عباسی[1] نے حکم دیا کہ امام حسینؑ کی قبر کو مٹا دیا جائے، اور قبر مبارک کے قریب و جوار میں جتنے مکانات ہیں، ڈھا دیئے جائیں، اور وہاں کھیتی باڑی کی جائے۔

ہر طرف اعلان کرا دیا کہ کوئی بھی امام حسینؑ کی زیارت کو نہ جائے۔

اُس کے ان اقدامات سے تمام مسلمانوں کو بہت اذیت ہوئی بغداد کے لوگوں نے تو دیواروں پر اُس کے لئے گالیاں لکھیں، اور شعراء نے اس کی مذمت میں اشعار کہے۔

چنانچہ ایک شاعر نے اُس کی مذمت کرتے ہوئے لکھا، کہ:

تَاللّٰہِ اِنْ کَانَتْ اُمَیَّۃُ قَدْ اَتَتْ
قَتْلَ ابْنِ بِنْتِ نَبِیِّھَا مَظْلُوْمًا

فَلَقَدْ اَتَاہُ بَنُوْ اَبِیْہِ بِمِثْلِھَا
ھٰذَا لَعَمْرِیْ قَبْرُہٗ مَھْدُوْمًا

اَسِفُوْا عَلٰی اَنْ لَّا یَکُوْنُوْا شَارَکُوْا
فِیْ قَتْلِہٖ فَتَتَبَّعُوْہُ رَمِیْمًا

(خدا کی قسم۔ اگر بنی امیہ نے اپنے پیغمبرؐ کے نواسے کو مظلومیت کے عالم میں شہید کر دیا۔ تو۔ اس میں شک نہیں کہ خود ان کے رشتہ دار بھی اسی قسم کے مظالم لیکر آئے۔

[1] : بنی عباس، جناب عباس بن عبدالمطلب کی اولاد تھے جو حضور اکرمؐ کے چچا تھے۔

میری جان کی قسم، دیکھو اُن کی قبر ڈھائی جارہی ہے۔
گویا ان بنیؑ عباس کو افسوس تھا کہ امام حسینؑ کے قتل میں شریک نہیں ہو سکے تھے تو اب اُن کی قبر کے ساتھ ظالمانہ سلوک میں بنی امیہؓ کا ساتھ دے رہے ہیں۔)

ابوالفرج اصفہانی نے لکھا ہے کہ
متوکلؒ عباسی نے عمر بن فرج رخجیؒ کو مکہ و مدینہ کا گورنر بنایا وہ اسی کی طرح سے ایک بدسرشت شخص تھا، چنانچہ اس نے ہر طرف اعلان کرادیا کہ حضرت ابوطالبؑ کی اولاد کے ساتھ کوئی شخص بھی اچھا سلوک نہ کرے۔

اور اس معاملہ میں اس نے پوری شدت سے کام لیا، یہاں تک کہ لوگوں کو اپنی جان کا خطرہ محسوس ہونے لگا کہ اگر کسی نے علوی لوگوں کے ساتھ کوئی نرمی اختیار کی تو اس کی اپنی زندگی بھی محفوظ نہیں رہے گی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ سب لوگ اُن سے کترانے لگے، اُن سے ہر قسم کا لین دین بند ہوگیا، کاروبار کے سارے دروازے ان لوگوں پر بند ہوگئے، یہاں تک کہ وہ لوگ دانے دانے کو محتاج ہوگئے اور کسی کے جسم پر سالم لباس بھی باقی نہ رہا۔

مرد اور عورتیں سب ہی نہایت پریشان کن حالات سے دوچار ہوگئے اور جب تک متوکلؒ زندہ رہا، ان لوگوں پر عرصۂ حیات تنگ رہا۔

یہ سب باتیں امام علیہ السلام کے لئے اذیت کا باعث تھیں اس پر مستزاد وہ مظالم جو اس ملعون نے خود امامؑ علیہ السلام پر ڈھائے۔

حضرت امام علی نقیؑ کے
حکیمانہ ارشادات

ہمارے ہادیانِ برحق حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام نے اپنے چاہنے والوں اور دنیا کے تمام لوگوں کے لئے وہ اخلاقی تعلیمات عطا فرمائی ہیں جن پر لوگ عمل کرتے تو یہ دنیا کی زندگی گویا جنت کا گہوارہ بن جاتی۔

ان میں سب سے معروف اور اہم تعلیمات وہ ہیں جو نہج البلاغہ کے اندر خطبوں، خطوط اور مختصر حکیمانہ کلمات کی شکل میں موجود ہیں اور جن کا ترجمہ دنیا کی بیشتر قابلِ ذکر زبانوں میں ہو چکا ہے

دوسرا مجموعہ کلمۃ الامام الحسنؑ، اور کلمات الامام الحسینؑ کا اردو ترجمہ ہندوستان و پاکستان میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

چوتھا مجموعہ" بلاغتِ امام صادقؑ" کے نام سے شائع ہوا' جس کا اردو ترجمہ بھی کافی عرصہ قبل پاکستان میں شائع ہوا تھا' جس میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی تعلیمات ہیں۔

پانچواں مجموعہ "عیون اخبار الرضا" کے نام سے ہمارے بلند مرتبہ عالمِ دین اور اپنے وقت کے مرجعِ تقلید آقائے شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے مرتب فرمایا تھا' جس میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی تعلیمات و ہدایت کو قلمبند کیا گیا ہے۔

اسی طرح دیگر ائمہ طاہرین علیہم السلام کے حکیمانہ ارشادات کو ہمارے علماء و محققین

نے جمع کرکے اہلِ ایمان تک پہنچانے کی ہر دور میں سعادت حاصل کی ہے۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے بھی اپنے چاہنے والوں، اور بندگانِ خُدا کی دُنیا و آخرت سنوارنے کیلئے جو گراں قدر ارشادات فرماتے ہیں، ان میں سے بطورِ اختصار۔ ہم چند حکیمانہ ارشادات کو اس کتاب میں نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

(۱)

اَلْحِلْمُ اَنْ تَمْلِكَ نَفْسَكَ وَتَكْظِمَ غَيْظَكَ مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَيْهِ

(حلم و بردباری یہ ہے کہ: اپنے آپ پر قابو رکھو، اور قدرت و اختیار رکھتے ہوئے بھی، اپنے غصہ کو پی جاؤ)

انسان کے لئے مشکل ترین کام غصہ کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھنا ہوتا ہے۔

چنانچہ مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے ارشاداتِ عالیہ میں ہم یہ جملہ بھی پڑھتے ہیں کہ:

"حقیقی بہادر وہ نہیں ہے جو دشمن کو زیر کرلے، بلکہ صحیح معنوں میں بہادر وہ ہے جو اپنے نفس پر قابو رکھے۔"

اور بقولِ شاعر: "بڑے موذی کو مارا، نفس امارہ کو گر مارا"

(۲)

مَنْ رَضِيَ عَنْ نَفْسِهِ كَثُرَ السَّاخِطُوْنَ عَلَيْهِ

(جو شخص اپنے آپ سے خوش ہو (خود پسندی میں مبتلا ہو) اُس سے ناراض ہونے والوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے)۔

اگر انسان اشجار پر نگاہ ڈالے تو وہ دیکھے گا کہ جو ٹہنیاں بے ثمر ہوں وہ سر اٹھائے رہتی ہیں، اور جن شاخوں پر پھل لدے ہوتے ہوں، وہ جھکی رہتی ہیں۔

علمِ اخلاق کے ماہرین نے اس سے یہ تمثیل بھی قائم کی ہے کہ جو انسان فضل و شرف کا مالک ہوتا ہے وہ تواضع و انکساری سے کام لیتا ہے، نہ تکبر میں مبتلا ہوتا ہے نہ خود پسندی میں، کیونکہ خود پسندی درحقیقت خِسّتِ نفس کی علامت ہے، اور اگر کوئی شخص — خدانخواستہ — اس بیماری میں مبتلا ہو تو اس سے لوگوں کا ناراض ہونا انہونی بات نہیں ہے

(۳)

تُرِيْكَ الْمَقَادِيْرُ مَا لَا يَخْطُرُ بِبَالِكَ

(تقدیریں تمہیں وہ باتیں بھی دکھاتی ہیں — جو تمہارے تصور میں بھی نہ گذری ہوں)

فارسی محاورہ ہے کہ "تدبیر کند بندہ تقدیر کند خندہ" (بندہ تدبیر کرتا رہتا ہے۔ اور تقدیر اُس پر ہنستی رہتی ہے) کہ دیکھو یہ سمجھ رہا ہے گویا اس کی ساری ترکیبیں کارگر ثابت ہو جائیں گی، یہ نہیں جانتا کہ جب تک حکمِ خداوندی نہ ہو اس کی تدبیروں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

انسان کو بہتری کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے، لیکن کبھی اس غرور میں مبتلا نہ ہو کہ اس کی تدبیریں ہی سب کچھ ہیں، جیسا کہ دنیا کے ظالم و جابر بادشاہوں کے حالات میں بھی بخوبی دیکھا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے تحفظ کی ہر ممکن کوشش کرتے رہے، لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ اُن کی ہر تدبیر بیکار ثابت ہوئی، اور وہ کچھ ہو گیا، جس کا انہوں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

(۴)

شَتُّوالتَّرْزِيَةِ سُوءُ الخلق

بد خلاقی، بدترین مصیبت ہے

خوش اخلاقی، اگر بدترین دشمن کو بھی رام کرلیتی ہے، تو بد اخلاقی بہترین دوست کو رنجیدہ کرنے اور دور کرنے کا سبب بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دینِ اسلام کی تعلیمات میں اخلاقِ کریمانہ کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ سرکارِ ختمی مرتبتؐ نے ارشاد فرمایا کہ: "انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" (میں تو بس، اس لئے مبعوث ہوا ہوں کہ اخلاقِ کریمانہ کو کمال کی منزل تک پہنچا دوں)۔

لہٰذا حضور اکرمؐ کا کلمہ پڑھنے والے تمام افراد کا یہ بنیادی فریضہ ہے کہ وہ حضورِ اکرمؐ کے ارشادات کو مدِنظر رکھیں، اور ہر شخص کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا اپنی زندگی کے فرائض میں سے سمجھیں۔ اور بد اخلاقی کو اپنے لئے، اپنے گھر والوں کیلئے اپنے ساتھیوں کے لئے، اپنے دوستوں کے لئے اور دنیائے انسانیت کے لئے بدترین مصیبت سمجھ کر اس مصیبت سے چھٹکارہ حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

(۵)

اَلْجَاهِلُ اَسِيْرُ لِسَانِهٖ

(جاہل شخص اپنی زبان کا قیدی (ہوتا) ہے

جنابِ لقمان کے حالات میں یہ بات ملتی ہے کہ جب اُن سے دریافت کیا گیا کہ جسمِ انسانی کے اعضاء میں دو نہایت عمدہ اعضاء کون سے ہیں۔؟ تو فرمایا کہ:

"دل اور زبان۔"

پھر جب پوچھا گیا: "دو نہایت بُرے اعضاء کون سے ہیں۔؟

فرمایا کہ: "دل اور زبان۔"

سوال کرنے والے کو تعجب ہوا کہ بہترین اعضا بھی دل اور زبان جب کہ بدترین اعضا بھی دل اور زبان ۔ ؟

آپ نے فرمایا کہ : ہاں ! اگر یہ دونوں اعضا، اچھائی کی طرف راغب ہوں تو یہ بہترین ہیں، اور اگر برائی کی راہ پر چل پڑیں تو بدترین ہیں۔

جاہل و ناداں انسان، چونکہ بے موقع و محل بات کر جاتا ہے، جس سے ان گنت نقصانات، خود اُسے بھی پہونچ سکتے ہیں اُس سے تعلق رکھنے والوں کو بھی، اور دوسرے بنی نوع انسان کو بھی۔

اس لئے اصولِ کافی میں ہم جو پہلا باب پڑھتے ہیں اُس کا نام کتاب العقل والجہل ہے۔ قابلِ غور بات ہے کہ اِس باب میں جہل کو علم کے مقابلے میں نہیں استعمال کیا گیا ہے، بلکہ عقل کے مقابلے میں رکھا گیا ہے، وہ عقل جو اس قدر عظیم نعمتِ پروردگار ہے کہ معصومؑ کے قول کے مطابق : العقل ما عبد به الرحمان واکتسب به الجنان،

(عقل وہ ہے جس کے ذریعہ اللہ کی معرفت حاصل کی جاتی ہے اور جنت تک پہونچنے کی راہ، حاصل کی جاتی ہے)

(۵)

اَلْمُصِيبَةُ لِلصَّابِرِ وَاحِدَةٌ وَلِلْجَازِعِ اِثْنَتَانِ

(مصیبت، صبر کرنے والے کیلئے تو ایک ہوتی ہے اور ہائے واویلا کرنے والے کے لئے دُہری رہ جاتی) ہے،

صبر انسانی زندگی کی نہایت بلند صفات میں سے ہے جو نگاہِ قدرت میں اس قدر پسندیدہ ہے کہ اُس نے قرآن مجید میں یہ اعلان فرما دیا کہ :

انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب ۔ (اس میں شک نہیں کہ صبر کرنے والوں کو اُن کا بے حساب عطا کیا جائے گا)

امام علیہ السلام نے اپنے فرمانِ مقدس میں ایک او رحقیقت کی طرف بھی ہماری توجہ مبذول کرائی ہے کہ :

"صبر کرنے سے مصیبت ہلکی ہوجاتی ہے، اور جزع فزع۔ "ہائے واویلا" کرنے سے مصیبت بڑھ جاتی ہے اجر و ثواب سے انسان محروم ہوجاتا ہے، اور اصل مصیبت کے ساتھ۔ "ہائے واویلا" بھی اس کے ساتھ شامل ہوکر اُسے دُوگنا کر دیتی ہے۔

(٤)

اَلْحَسَدُ مَاحِقُ الْحَسَنَاتِ وَالزَّهْوُ جَالِبُ الْمَقْتِ

(حسد، نیکیوں کو مٹا دینے والی چیز ہے، جبکہ فخر و غرور (لوگوں کی) ناراضگی کا سبب بنتا ہے)

"حسد انسان کی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ، لکڑی کو کھا جاتی ہے"۔

امام علی نقی علیہ السلام کے اس ارشادِ مقدس میں بھی حسد کی اسی خرابی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ لوگوں سے حسد کرنے والا شخص یہ بات اچھی طرح سمجھ لے کہ یہ ایسی بیماری ہے جو اس کی ذاتی خوبیوں کو برباد کرنے والی ہے۔

اسی طرح فخر و غرور، ناز و ادا، اور کسی بات پر اترانا، ایک ایسی آفت ہے جو انسان کو لوگوں کی نگاہوں سے گرا دیتی ہے۔

یہ بات تو سب ہی کی جانی پہچانی ہے کہ :

"تکبر عزازیل را خوار کرد۔ بلعنت ذلت گرفتار کرد۔" اسی طرح اپنے کسی کارنامے پر اترانا، یا اللہ کی عطا کردہ کسی نعمت پر ناز و ادا کرنا، باعظمت لوگوں کی نگاہ میں انسان کو گرا دیتا ہے، اور انکی ناراضگی کا سبب بنتا ہے۔

⑧

اَلْبُخْلُ اَذَمُّ الْاَخْلَاقِ وَالطَّمَعُ سَجِيَّۃٌ سَیِّئَۃٌ

(کنجوسی، انتہائی مذموم صفت ہے۔ اور لالچ ایک بُری خصلت ہے)

دین اسلام اپنے ماننے والوں کو صفاتِ حمیدہ اپنانے اور صفاتِ مذمومہ سے اجتناب کی ترغیب دیتا ہے۔ ان صفاتِ حمیدہ میں سے ایک اہم صفت: جود و سخا کی ہے، کہ اللہ نے انسان کو جو مال دیا ہو اُسے فراخ دلی کے ساتھ اپنی ذات پر بھی خرچ کرے، اپنے اہل و عیال پر بھی، احباب پر بھی اور نیکی کے کاموں میں بھی۔ جبکہ بُخل (کنجوسی سے کام لینے والا)، اپنے مال سے نہ خود فائدہ اُٹھاتا ہے، نہ دوسروں کو فیض پہونچاتا ہے۔

وہ دنیا میں تو غریبوں جیسی زندگی گذارتا ہے اور آخرت میں اسے امیروں کی طرح حساب دینا پڑے گا۔ (نقل بالمعنی)

اسی طرح لالچ، جو بُخل سے ملتی جُلتی مذموم صفت ہے کہ مال کی لالچ اور اس کو سَینت سَینت کر رکھنے کی ہوس ہی میں انسان خرچ سے کتراتا ہے، اور زیادہ سے زیادہ کی طمع کرتا رہتا ہے۔ اس لئے معصومؑ نے بُخل اور طمع، دونوں ہی کو نہایت مذموم صفات میں سے قرار دیا ہے۔

⑨

مُخَالَطَۃُ الْاَشْرَارِ تَدُلُّ عَلٰی شَرِّ مَنْ یُخَالِطُھُمْ۔

(بُرے لوگوں کے ساتھ خلا ملا، اُن لوگوں کی بدی کی نشاندھی کرتا ہے، جو اُن کے ساتھ میل ملاپ رکھتے ہیں)

معروف بات ہے کہ: انسان اپنے دوستوں سے پہچانا جاتا ہے۔

نیک صالح لوگوں کے احباب عموماً نیک وصالح ہوتے ہیں، جبکہ بد سرشت لوگوں کی دوستیاں بھی ہم مزاج لوگوں سے ہوتی ہیں، اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ:

کند ہم جنس باہم جنس پرواز ۔ کبوتر با کبوتر، باز با باز۔

اس لئے انسان کو، دوستی کرتے وقت یہ ضرور دیکھنا چاہیئے کہ جس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے وہ صفات واخلاق اور سیرت وکردار میں کیسا ہے؟ اور بس اُن ہی لوگوں سے دوستی کرے جن کے اوصاف پسندیدہ ہوں، اور جو دنیا وآخرت میں معاون ثابت ہوں۔

(۱۰)

اَلْكُفْرُ بِالنِّعَمِ اَمَارَةُ الْبَطَرِ، وَسَبَبٌ لِلتَّغَيُّرِ

(کفرانِ نعمت، تکبر کی علامت ہے اور (نعمت کے) بدل جانے کا سبب (بن سکتا) ہے)

نعمت، اور منعم کی قدر دانی، انسان کے اعلیٰ صفات میں سے شمار کی جاتی ہے جبکہ کفرانِ نعمت ۔۔ نہایت مذموم صفت ہے ۔ شریف النفس انسان کو، اگر کوئی شخص پانی کا ایک گلاس بھی پیش کرے تو وہ اُس کا شکریہ ادا کرنا اپنی ذاتی شرافت کی علامت سمجھتا ہے، پھر وہ انسان کس قدر بدقسمت ہے، جو صبح سے شام تک اللہ کی نعمتوں کو استعمال کرتا رہے، اور کبھی اس کا شکر ادا کرنے کی اُسے توفیق نہ ہو۔

یہ انسانی شرافت کی تو علامت نہیں ہے، البتہ اُس تکبر ونخوت کی ضرور علامت ہے جو انسان کی شائستگی کے لئے بھی زہر ہلاہل ہے، اور بعید نہیں ہے کہ یہ ناشکرا پن، اُس نعمت کے زوال وتغیر کا سبب بن جائے۔

(۱۱)

اَلْعُقُوقُ يُعْقِبُ الْقِلَّةَ وَيُؤَدِّيْ اِلَى الذِّلَّةِ (ماں باپ کی) نافرمانی کا

انجام (مال کی) قلت ہے اور یہ (نافرمانی) ذلت و رسوائی تک پہنچا دیتی ہے)

جن گناہوں کو شریعت میں 'گناہان کبیرہ' میں سے شمار کیا گیا ہے' ان میں ماں باپ کی نافرمانی بھی ہے' اور یہ اُن گناہوں میں سے ہے جس کے بُرے انجام کا دنیا میں بھی سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

کیونکہ جیسا کہ ہم دعائے کمیل میں پڑھتے ہیں' بہت سے ایسے گناہ ہیں جن کی بنا پر انسان کو آخرت کے عذاب سے پہلے دنیا میں بھی اُس کے بُرے نتائج برداشت کرنا پڑتے ہیں۔

جیسا کہ امام علیہ السلام کے اس فرمانِ مقدس سے بھی واضح ہے کہ ماں باپ کی نافرمانی انسان کو فقر و فاقہ اور تنگدستی تک بھی پہنچا سکتی ہے اور اُسے ذلت و رسوائی سے بھی دوچار کر سکتی ہے' جب کہ اُن کے ساتھ حُسن سلوک کرنے سے انسان کی دنیا و آخرت دونوں سنور سکتے ہیں۔

(۱۲)

اَلسَّهَرُ اَلَذُّ لِلْمَنَامِ ، وَالْجُوعُ يَزِيدُ فِي طِيبِ الطَّعَامِ

(دیر تک) جاگنا' نیند کو بہت زیادہ لذیذ بنا دیتا ہے' اور بھوک' کھانے کے مزے کو بڑھا دیتی ہے)

بہت سے لوگ دن کا بڑا حصہ سو کر گذارتے ہیں' پھر جب رات کو نیند نہیں آتی تو شکوہ کرتے ہیں کہ صاحب! ساری رات نیند کے لئے کروٹیں بدلتا رہا۔' اسی طرح جو لوگ ہر وقت چٹورپنا کرتے ہیں' انھیں گھر پہنچ کر کھانے میں کوئی لذت ہی محسوس نہیں ہوتی۔

لیکن اگر لوگ' دن۔ جسے اللہ نے کام کے لئے بنایا ہے اُس میں محنت مشقت کو معمول بنائیں تو رات کے وقت نہایت پُرسکون نیند کی لذت حاصل

کر سکتے ہیں۔

اسی طرح جو لوگ اپنے معدے کو خوب آرام دینے کے عادی ہیں، خوب کھل کر بھوک لگنے پر کھائیں، تو انھیں غذا میں ایک خاص لذت محسوس ہوگی۔ جیسا کہ روزہ دار جب روزہ کھولتا ہے تو اُسے پانی بھی انتہائی خوشگوار لگتا ہے۔ اور چنوں میں عجیب منفرد سی لذت محسوس ہوتی ہے۔

(۱۳)

اُذْكُرْ مَصْرَعَكَ بَيْنَ يَدَيْ اَهْلِكَ حَيْثُ لَا طَبِيْبَ يَمْنَعُكَ وَلَا حَبِيْبَ يَنْفَعُكَ۔

(اس وقت کو، یاد رکھو، جب تم اپنے گھر والوں کے سامنے، بے حس و حرکت پڑے ہو گے، جب نہ کوئی معالج تمہیں روک سکے گا، اور نہ کوئی دوست تمہیں فائدہ پہنچائے گا۔

موت سے غفلت انسان کو ان گنت نالائقیوں کی طرف لے جاتی ہے، اور اس کی طرف سے لاپرواہی انسان کو بہت سے گناہوں پر جری بنا دیتی ہے۔

لیکن جو شخص ہر آن یہ محسوس کرے کہ مالک کی طرف سے میری موت کا جو وقت مقرر ہے اُس پر مجھے دنیا سے جانا ہے۔ اور پروردگار کی بارگاہ میں پوری زندگی کا حساب پیش کرنا ہے۔

وہ یہ بات بھی بخوبی جانتا ہے کہ میری موت کا جو وقت مقرر ہے اسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔ اس وقت نہ کسی معالج کی دوا مجھے روک سکتی اور نہ دنیا کے دوست مل کر مجھے فرشتۂ موت سے بچا سکتے ہیں۔

(۱۴)

اِيَّاكَ وَالْحَسَدَ فَاِنَّهُ يَشِيْنُ بِكَ وَلَا يَعْمَلُ فِيْ عَدُوِّكَ۔

(حسد سے بچو، کیونکہ وہ تمہارے اندر نمایاں ہو جاتا ہے، اور تمہارے دشمن پر کوئی اثر نہیں دکھاتا)

جیسا کہ ہم نے اس سے قبل عرض کیا:

"حسد انسانی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ سوکھی لکڑیوں کو کھا جائے"

اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رکھنی چاہیئے کہ حسد کرنے والے کو اپنے حسد سے جتنا نقصان پہنچتا ہے وہ محسود کے ضرر کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ اور نہ حاسد کے جلنے سے محسود کی نعمتیں زائل ہوتی ہیں۔

البتہ احادیث میں ہمیں تاکید کی گئی ہے کہ حاسد بننے سے بھی اجتناب کریں، اور لوگوں کے حسد کا شکار ہونے سے محفوظ رہنے کی دعا بھی کریں جیسا کہ سورۂ مبارکۂ فلق میں انسان کو تعلیم دی گئی ہے کہ اپنے پروردگار سے یہ التجا کریں کہ مجھے حسد کرنے والوں کے شر سے محفوظ رکھ۔ کیونکہ حسد کرنے والا بسا اوقات شر انگیزی پر اتر آتا ہے۔

(۱۵)

اَلْجَهْلُ وَالْبُخْلُ اَذَلُّ الْاَخْلَاقِ

(جہالت اور کنجوسی، نہایت ناپسندیدہ صفات ہیں)

جس طرح علم اور دریادلی صفاتِ حمیدہ میں سے ہیں۔ اسی طرح جہل اور کنجوسی کو نہایت مذموم صفات میں سے قرار دیا گیا ہے بلکہ جہالت کو تو تاریکی اور اندھے پن سے بھی تشبیہ دی گئی ہے، اور علم کو نور قرار دیا گیا ہے۔

بعض روایات میں تو یہاں تک ملتا ہے کہ: "اگر جہالت مجسّم ہو کر سامنے آجائے تو میں اسے قتل کر دوں۔"

کیونکہ جہل میں ڈوبا ہوا انسان، نہ رشد و ہدایت سے آگاہ ہوتا ہے، نہ فلاح

کی راہیں بجھتا ہے' نہ اس کے اندر زندگی و بندگی کا شعور ہوتا ہے

اسی طرح کنجوسی کی صفت' انسان کو کسی بھی کارِ خیر میں حصہ لینے سے روکتی رہتی ہے' جس کے نتیجے میں انسان دنیا کی سعادت اور آخرت کے درجات سے محروم ہو جاتا ہے۔

(۱۶)

حُسْنُ الصُّورَةِ جَمَالٌ ظَاهِرٌ وَحُسْنُ الْخُلْقِ جَمَالٌ بَاطِنٌ

(خوبصورتی ظاہری حُسن ہے جبکہ خوش اخلاقی' باطنی حُسن و جمال ہے)

انسان کے محاسن میں سے اُس کا ظاہری حُسن و جمال بھی ہے جس پر اُسے خداوندِ عالم کا شکر ادا کرنا چاہیئے' اور اپنے اخلاق کو سنوار کر حُسنِ ظاہر سے ہم آہنگ کرنے کی سعیِ جمیل بھی کرنی چاہیئے۔

تاکہ عطیۂ پروردگار کے ساتھ ساتھ' اپنی ذاتی کوشش اور توفیقِ الٰہی سے اُس عظیم الشان صفت کا بھی مالک ہو جائے جو خداوندِ عالم کے مقرب بندوں کا شعار رہا ہے۔ کیونکہ خوش اخلاقی' انسان کو اُس رفیع مرتبے پر فائز کر دیتی ہے' جہاں اپنے اور غیر سب ہی اُس کے رطب اللسان نظر آنے لگتے ہیں' اور بدترین دشمن بھی اُس کی خوش اخلاقی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ اسلام کی پیشرفت میں سب سے زیادہ مؤثر کردار حضورِ اکرمؐ کے اخلاقِ کریمانہ نے ادا کیا ہے، تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔

(۱۷)

إِنَّ مِنَ الْغِرَّةِ بِاللّٰهِ أَنْ يُصِرَّ الْعَبْدُ عَلَى الْمَعْصِيَةِ، وَيَتَمَنَّى عَلَى اللّٰهِ الْمَغْفِرَةَ

(کوئی بندہ گناہ پر مُصر ہو' اور پھر بھی اللہ سے مغفرت کی تمنا کرے'

تو یہ درحقیقت اللہ کو دھوکہ دینے (کی کوشش ہے)

ہمارے معاشرے میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو دھڑلے سے گناہ بھی کرتے ہیں اور خود کو مغفرت اور نجات کا حقدار بھی سمجھتے ہیں، گویا انہیں پیدائشی طور پر کوئی سرٹیفکٹ ملا ہوا ہے کہ جو چاہے کرتے پھرو، نجات تو تمہارا استحقاق ہے۔

جبکہ امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ گناہ پر جمے رہنے کے باوجود مغفرت کی تمنا و آرزو رکھنا، محض اللہ کو دھوکہ دینے کی کوشش کرنا ہے۔ اور جو شخص اللہ کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہے، وہ صرف اپنے آپ ہی کو دھوکہ دیتا ہے۔

جیسا کہ ارشاد قدرت ہے:

وما یخدعون الا انفسھم... (یہ لوگ) تو بس اپنے آپ ہی کو دھوکہ دیتے ہیں۔ (سورۃ البقرہ)

اور اگرچہ یہ آیت شان نزول کے اعتبار سے منافقین کے بارے میں ہے، لیکن یہ اپنی وسعتوں میں ان تمام لوگوں کو شامل کر لیتی ہے جو خدا اور رسولؐ کو دھوکہ دینا چاہیں۔

(۱۸)

اِنَّ لِلّٰهِ بِقَاعًا يُحِبُّ اَنْ يُدْعٰى فِيْهَا فَيَسْتَجِيْبُ لِمَنْ دَعَاهُ، وَ الْحَائِرُ مِنْهَا.

(اللہ کی (پیدا کردہ) ایسی بھی سرزمینیں ہیں، جن کے بارے میں اللہ کو یہ بات پسند ہے کہ وہاں دُعا کی جائے، اور خداوند عالم دُعا کرنے والے کی دعا قبول کرے۔ ان میں سے روضۂ امام حسینؑ بھی ہے)

سرکار سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام نے عاشور کو کربلا میں جو عظیم الشان قربانی پیش کی، اس نے دینِ خدا کو قیامت تک کے لئے زندہ، تابندہ

درخشندہ کر دیا۔

اور پروردگارِ عالم نے اس عظیم قربانی کے صلہ کے طور پر کربلا کی سرزمین کو بھی یہ شرف عطا فرمایا کہ جو شخص بھی حضرتِ امام حسینؑ کے روضہ پر حاضری دے اور رب کی بارگاہ میں اپنا مدعا پیش کرے' مالکِ دوجہاں امام مظلومؑ کی برکت سے اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے۔

یہی وہ سرزمین ہے' جہاں فرزندِ رسولؐ نے دینِ خدا کی سربلندی کے لئے وہ عظیم قربانی پیش کی' جس کی مثال' نہ اُس سے قبل کی تاریخ میں ملتی ہے' اور نہ اس کے بعد کی دنیا میں' بلکہ دنیائے انسانیت گواہ ہے کہ "واللہ کہ احسینؑ کارے کردی۔"

(۱۹)

اِنَّ اللّٰہَ جَعَلَ الدُّنْیَا دَارُ بَلْوٰیٰ وَالْاٰخِرَۃَ دَارُ عُقْبٰی ۔ وَجَعَلَ بَلْوٰی الدُّنْیَا لِثَوَابِ الْاٰخِرَۃِ سَبَبًا وَثَوَابَ الْاٰخِرَۃِ مِنْ بَلْوٰی الدُّنْیَا عِوَضًا

(خداوندِ عالم نے دُنیا کو آزمائش کا گھر بنایا ہے' اور آخرت کو انجام کار کی منزل قرار دیا ہے' اور دنیا کی آزمائش کو آخرت کے ثواب کا ذریعہ بنایا ہے' اور آخرت کے اجر کو دنیا میں پیش آنے والی ابتلاءات کا معاوضہ قرار دیا ہے۔)

انسانی تاریخ گواہ ہے کہ: دنیا میں کوئی ایسا صاحبِ عقل و شعور نہیں گزرا ہے جو امتحان و آزمائش کی منزل سے نہ گذرا ہو۔ اور اہلِ ایمان کیلئے تو قدرت کا واضح اعلان ہے کہ: ولنبلونکم بشیٔ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات...

(ہم یقیناً اور ضرور تم لوگوں کا امتحان کچھ خوف سے' بھوک سے' مال کی کمی سے' جانوں (کے اتلاف) سے اور پھلوں (کی کمی وغیرہ) سے لیں گے۔

البتہ قدرت کا وعدہ ہے کہ ہر ابتلا و آزمائش کے عوض اس کے درجات میں بلندی عطا کریں گے۔

جس طرح سونا آگ میں تپنے کے بعد کندن بنتا ہے، اسی طرح بندۂ مومن آزمائشوں کے مراحل سے گذر کر تقرب کی منزل پر فائز ہوتا ہے اور قرآن اُسے بہترین انجام، اور آخرت کی عظیم نعمتوں کی نوید سناتا ہے۔

(۲۰)

مَنْ جَمَعَ لَكَ مَوَدَّتَهُ وَرَأْيَهُ، فَاجْمَعْ لَهُ طَاعَتَكَ

(جو تم سے محبت بھی رکھتا ہو اور اچھی رائے بھی تمہیں دیتا ہو، اس کی بات مانا کرو۔)

اگر محبت کرنے والا شخص صاحب الرائے نہ ہو، تو اپنی محبت میں انسان کو ایسے مشورے بھی دے سکتا ہے جو کسی طرح سود مند نہ ہوں، جبکہ صاحب الرائے انسان کو اگر محبت نہ ہو، تو اسے اچھی رائے پیش کرنے میں بھی کوئی دلچسپی نہ ہوگی۔

لیکن ہمارا وہ خیر خواہ، جو صاحب الرائے بھی ہو، وہ صرف وہی رائے دیگا جس میں ہماری بہتری دیکھے گا، ایسی صورت میں، کامیابی کے لئے بس ایک زینہ باقی رہ جاتا ہے، اور وہ یہ کہ انسان اُس رائے پر پوری طرح کاربند ہو جائے پھر دیکھے کہ کس طرح فائز المرام ہوتا ہے۔

البتہ ایسے شخص کا ملنا کبریتِ احمر کے مانند ہے، لیکن جب مل جائے ــــ اور خوش قسمت ہوگا وہ انسان جسے ایک صاحب الرائے محبت کرنے والے انسان کی حکیمانہ رائے مل جائے، جس پر عمل پیرا ہو کر وہ کارگاہِ حیات میں کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہو سکے۔

(۲۱)

مَنْ هَانَتْ عَلَيْهِ نَفْسُهُ فَلَا تَامَنْ شَرَّهُ

(جس شخص کے نفس کی کوئی کرامت نہ ہو اس کے شر سے خود کو محفوظ مت سمجھنا۔)

جو شخص ذاتی طور پر شریف اور کریم النفس ہو، وہی دوسروں کی شرافت کا پاس و لحاظ بھی رکھ سکتا ہے۔ لیکن جس نے دنائت کی راہ اپنائی ہے، جسے کسی برائی کے ارتکاب سے کوئی عار نہ ہو، جو خست نفس کا مفہوم بھی نہ سمجھتا ہو، جو ذاتی طور پر بدسرشت ہو اور جو کسی بھی گھناؤنے جرم کا مرتکب ہونے میں شرم محسوس نہ کرے ۔۔۔ وہ کسی کو بھی گزند پہنچا سکتا ہے۔

چنانچہ امام علیہ السلام نے معاشرے کے ایسے اوباش لوگوں سے اپنے چاہنے والوں کو محفوظ رکھنے کے لئے یہ ہدایت فرمائی ہے کہ اس قماش کے لوگوں سے ہمیشہ چوکنا رہو، تاکہ تمہاری کسی نادانی سے وہ سوئے استفادہ نہ کر سکیں اور تمہاری کوئی غفلت، ان لوگوں کو، تمہارے خلاف قدم اٹھانے کے لئے بہانہ فراہم نہ کر سکے۔

کیونکہ: ۔۔۔ ایسے لوگ تو منتظر رہتے ہیں کہ کسی طرح کسی کی پگڑی اچھالیں اور کس طرح، کسی نیک نام انسان کے دامن کی طرف کیچڑ اچھال کر آسودگی محسوس کریں، کیونکہ ؎

نیش عقرب نہ از پئے کین است
مقتضائے طبیعتش این است

امام علی نقیؑ کی طبی ہدایات

ہمارے ائمہ طاہرینؑ علیہم السلام کو پروردگارِ عالم نے تمام علوم و کمالات سے آراستہ فرما کر بنی نوعِ انسان کی رہنمائی کے لئے بھیجا۔

جیسا کہ سرکارِ ختمی مرتبت، احمد مجتبیٰ، حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے ارشادِ گرامی میں اسکی طرف اشارہ موجود ہے۔

جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ:

"تم لوگ ان سے علم حاصل کرنا، انھیں تعلیم دینے کی کوشش نہ کرنا، کیونکہ وہ تم سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔"

(نقل بالمعنیٰ)

اور یہ تاریخی حقیقت ہے کہ ہمارے جس امامؑ کے پاس بھی، کوئی شخص، کسی شعبۂ علم سے متعلق کوئی مسئلہ لے کر آیا، اسے شافی جواب ملا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے تو ہندی طبیبوں کے مناظروں کا تذکرہ، برادرانِ اسلامی کی بکثرت کتابوں میں موجود ہے

اسی طرح اربابِ تاریخ نے حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے بارے میں بھی ایسے واقعات قلمبند کئے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آپ بھی اپنے اجدادِ طاہرینؑ کی طرح بندگانِ خدا کو طب و حکمت کی معلومات سے فیضیاب فرماتے تھے۔

اور دوست دشمن، سب تک آپ کا فیض جاری تھا۔
چنانچہ برادرانِ اسلامی کے معروف عالم دین، صاحب فصول مہمہ نے لکھا ہے کہ :

علی بن ابراہیم طائفی کا بیان ہے کہ :
ایک مرتبہ متوکل عباسی کے حلق پر ایسا پھوڑا نکل آیا، جس کی تکلیف سے وہ قریب المرگ ہو گیا۔
اس پھوڑے کو جراحی کی ضرورت تھی مگر کوئی طبیب یہ جرات نہیں کرتا تھا کہ حاکم وقت کے حلق پر نشتر لگائے۔
(کیونکہ ذرا سی بھول چوک اور معمولی سی غفلت کی صورت میں جلاد کی تلوار، اس طبیب کا گلا کاٹنے کیلئے تیار ہوتی۔)
متوکل کی ماں نے ابوالحسن امام علی نقی علیہ السلام کے لئے منت مانی کہ :
"اگر اس کا بیٹا اس بیماری سے شفا پا گیا، تو وہ آپ کی خدمت میں اپنا بہت سا (ذاتی) مال ہدیہ کے طور پر پیش کرے گی۔
اس موقع پر فتح بن خاقان نے متوکل سے کہا کہ :
"اگر ہو سکے تو آپ کسی کو حضرت امام علی نقیؑ کی خدمت میں بھیج کر اُن سے اس مرض کی دوا، پوچھیں، ہو سکتا ہے کہ وہ اس تکلیف کے رفع ہونے کے لئے کوئی علاج بتا دیں۔
متوکل نے اس رائے کو پسند کیا۔
چنانچہ اُس کا قاصد، امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، اور متوکل کے مرض کی تفصیل بیان کی۔
امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ : "بکری کی مینگنیاں لے کر عرق گلاب

میں بھگو دیں، اور پھر اس کو پھوڑے کے اوپر لگا دیں، انشاء اللہ اسی رات وہ پھوڑا آسانی سے پھوٹ جائے گا، اور اسے شفاء نصیب ہو گی۔

قاصد واپس آیا، اور علاج بتایا تو متوکل کے درباریوں نے اس کا خوب مذاق اڑایا۔

لیکن فتح بن خاقان نے کہا کہ:

"تجربہ کرنے میں کیا حرج ہے؟۔ خدا کی قسم ہے کہ: میں تو اسی کے ذریعے (اس زخم کے) اچھا ہونے کی امید رکھتا ہوں۔

چنانچہ وہ دوا بنائی گئی اور پھوڑے پر لگا دی گئی ۔۔ اسی رات وہ پھوڑا پھوٹ گیا، سارا پیپ اور مواد بہہ گیا، اور متوکل نے اس شدید درد اور تکلیف سے چھٹکارہ پایا۔

(حوالے کیلئے دیکھئے: الفصول المہمہ، صفحہ ۲۶۶)

اس واقعے سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ۔

اگرچہ بنی عباس نے تختِ حکومت پر قبضہ کر رکھا تھا، مگر اُن کو اچھی طرح معلوم تھا کہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام حجّتِ خدا اور ہادی برحق ہیں، اس اقتدار پر اصل استحقاق اُن ہی کا ہے، اور ان ہی کے توسّل سے بارگاہِ معبود میں دعا مانگی جائے تو دعا بابِ استجابت سے ٹکراتی ہے، اور انسان کو اس کا مدعا حاصل ہوتا ہے۔

چنانچہ متوکل جب بیمار ہوا، بیماری سے تڑپنے لگا، اور سارے طبیب اُس کے علاج سے قاصر و عاجز نظر آئے تو اُس کی ماں نے بارگاہِ معبود میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام ہی کو واسطہ قرار دیا۔

اس واقعہ سے امام علیہ اسلام کے بے گیر لطف وکرم، اور عفو و درگذر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اگرچہ متوکل عباسی ہمیشہ آپ کی ایذارسانی کے درپے رہا کرتا تھا

اُس نے آپکے مدینہ منورہ کی رہائش ترک کرائی۔

سامرا بُلاکر بہت دنوں تک آپ کو ایک نہایت ہی نامناسب جگہ پر رکھا۔

کافی عرصہ تک آپ کو قید و بند میں مبتلا کیا۔

آپکے چاہنے والوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا۔

اور آن کی ایذارسانی میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتا تھا۔

لیکن جب پریشانی میں اُس نے آپکے مدد مانگی تو آپنے عفو و درگذر اور اپنے عمومی لطف وکرم سے کام لیتے ہوئے اس کے لئے وہ دوا تجویز فرمائی جو نہایت مؤثر ثابت ہوئی۔ اور اُسی شب اُسے تکلیف سے نجات مل گئی۔

اسی لئے ہم اہلِ ایمان کا یہ عقیدہ ہے کہ ان ہادیانِ برحق کے دروازے سے کوئی محروم واپس نہیں جاتا۔

اور جو خاصانِ خدا اپنے دشمنوں کو بھی نوازتے ہیں وہ اپنے چاہنے والوں کو کیسے محروم کرسکتے ہیں۔

حضرت آدمؑ نے حج کیا تو اُن کے سر کے بال کس نے کاٹے!

حج کے واجبات میں سے ایک اہم فریضہ حلق و تقصیر ہے۔

حجاج کرام ۹ ذی الحجہ کے دن عرفات میں اور آنے والی رات (شبِ عید قربان) کو مزدلفہ میں وقوف کرنے کے بعد دسویں ذی الحجہ کو منیٰ میں وارد ہوتے ہیں جہاں اُن کے تین فرائض ہیں۔

(۱):۔ بڑے شیطان کو سات کنکر مارنا۔

(۲):۔ قربانی کرنا۔ اور

(۳):۔ حلق یا تقصیر کرانا (یعنی سر منڈانا' یا تھوڑے سے بال کٹوانا۔)

خواتین کو تو تقصیر ہی کرانی ہے' انھیں سر منڈانے کی اجازت نہیں ہے' لیکن مرد حضرات کو اختیار ہے کہ سر منڈائیں یا تقصیر کرائیں' یعنی اپنے تھوڑے سے بال کٹوائیں۔

البتہ جو شخص پہلی مرتبہ حج کر رہا ہو اُس (مرد) کے لئے تاکید ہے کہ سر منڈائے۔

حضرت آدمؑ ۔ انسانِ اوّل ہیں جو زمین پر تشریف لائے' اور حکم خدا کے مطابق انہوں نے حج کا فریضہ بھی انجام دیا' اس وقت تک زمین پر انسانی آبادی تھی ہی نہیں کہ کوئی اُن کا سر مونڈتا۔

آج کل تو مِنیٰ کے اندر سیکڑوں۔ بلکہ ہزاروں نائی اِس کام کو انجام دینے کیلئے مستعد نظر آتے ہیں۔

لیکن جب حضرت آدمؑ نے حج کیا' اس وقت تو ایسی صورتِ حال نہیں تھی'

پھر اُن کا سر کس نے مونڈا

؟

شیخ یوسف بن حاتم شامی نے اپنی کتاب "دُرّ النظیم۔" میں

علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب "تفسیر دُرِ منثور" میں۔ "تاریخ بغداد" سے نقل کیا ہے کہ :

محمد بن یحییٰ کا بیان ہے کہ :

عباسی حکمران واثق باللہ کے دربار میں بہت سے فقہا موجود تھے' اس موقع پر یحیٰی بن اکثم نے سوال کیا کہ :

"جب حضرت آدم نے حج کیا تو اُن کے سر مونڈنے کا کام کس نے انجام دیا۔؟

لیکن وہاں کوئی شخص اس مسئلے کا جواب نہ دے سکا۔

اس وقت واثق باللہ نے کہا کہ : میں ایک ایسی ذاتِ گرامی کو یہاں تشریف لانے کی زحمت دے رہا ہوں۔ جو اس مسئلے کا صحیح جواب دے سکتے ہیں۔

یہ کہہ اس نے اپنے قاصد کو' حضرت امام علی نقیؑ کی خدمت میں بھیجا' اور امامؑ وہاں تشریف لائے۔

واثق باللہ نے امامؑ سے دریافت کیا۔

"اے فرزندِ رسولؐ۔ یہ ارشاد فرمایئے کہ جب حضرت آدمؑ نے حج کیا تو ان کے سر مونڈنے کا کام کس نے انجام دیا۔؟..

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ :

"میرے والدؑ نے میرے داداؑ سے، انہوں نے اپنے والدؑ سے انہوں نے جدؑ سے یہاں تک کہ حضرت رسولؐ خدا سے نقل کیا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

حضرت آدمؑ کے سر مونڈنے کے سلسلے میں جبرئیل امینؑ کو خداوند عالم کی طرف سے حکم دیا گیا تھا کہ بہشت سے یاقوت لاکر ان کے سر پر ملیں۔

جبرئیلؑ نے یہ عمل انجام دیا تو حضرت آدمؑ کے بال اتر گئے۔

اور اس بہشتی یاقوت کی روشنی جہاں جہاں تک پہنچی وہ پورا علاقہ "حرم" قرار پایا۔

قید و بند کی صعوبتیں

جس طرح انبیائے کرام نے اللہ کے پیغام کو بندوں تک پہونچانے کے لئے ہر قسم کی صعوبتیں برداشت کیں۔ اسی طرح ائمہ طاہرین علیہم السلام نے دین کی حفاظت اور شریعت کی پاسبانی کے سلسلہ میں ہر طرح کے مصائب و آلام کا سامنا کیا۔

اس فرق کے ساتھ کہ:

انبیائے کرام کو زیادہ تر اُن کفار و مشرکین کی طرف سے اذیت کا سامنا کرنا پڑا، جو نہ اللہ کو مانتے تھے، نہ دین کا کلمہ پڑھنے پر آمادہ تھے، لیکن ائمہ طاہرین علیہم السلام پر ظلم و ستم زیادہ تر اُن لوگوں نے ڈھائے جو خود کو مسلمان کہتے تھے، اور صورتِ حال یہ تھی کہ:

"نانا کا پڑھا کلمہ نواسے پہ جفا کی"

یہ لوگ حضور اکرم کے نام پر اُن کے تختِ حکومت پر بیٹھتے تھے، لیکن اُن کی پاک و پاکیزہ اور معصوم اولاد پر ہر قسم کے جور و جفا اور ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھاتے تھے۔

جبکہ سرورِ دو عالم، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دین کو پہنچانے کے لئے جو زحمتیں برداشت کی تھیں، اُن کے سلسلے میں جب امت کے لوگوں اور صحابہ کرام نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ۔۔۔

آپ نے جو ہماری ہدایت کے سلسلے میں اس قدر زحمتیں برداشت کی ہیں، اس کے عوض ہم کون سا کام کریں جو آپ کی خوشنودی کا باعث ہو۔؟

تو خداوندِ عالم نے فرمایا کہ:

"اے میرے حبیبؐ ان سے کہہ دو کہ یہ تمہارے قرابتداروں سے محبت کریں۔"

جیسا کہ سورۂ مبارکہ "شوریٰ" میں ارشادِ قدرت ہے:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى.

"(اے پیغمبرؐ) آپ کہہ دیجئے کہ میں اس تبلیغ رسالتؐ پر تم لوگوں سے (اپنے) قرابت کی محبت کے سوا کوئی اور صلہ نہیں مانگتا ہوں۔"

(سورہ الشوریٰ آیت نمبر ۲۳)

جس کے ذیل میں اربابِ تفسیر نے لکھا ہے کہ:

"جب مدینہ میں کچھ انصار نے حضورِ اکرمؐ کے بعض رشتہ داروں پر احسان جتایا کہ: اہلِ مکہ نے تم لوگوں نکال دیا تو ہم لوگوں نے تمہیں پناہ دی، انہوں نے تم پر عرصۂ حیات تنگ کیا، تو ہم نے تمہاری مدد کی، اور جب انہوں نے تمہاری تکذیب کی تو ہم نے تمہاری تصدیق کی۔

جب وہ لوگ کافی دیر تک اسی قسم کی باتیں کرتے رہے اور اپنے فخر و ناز کا اظہار کرتے رہے تو یہ باتیں حضورِ اکرمؐ تک پہنچیں، جس کے بعد آپ انصار کے مجمع میں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ:

"اے گروہِ انصار، کیا تم لوگ ذلیل نہ تھے، پھر خداوندِ عالم نے ہماری بدولت تمہیں معزز بنایا؟

کیا تم لوگ گمراہ نہ تھے، پھر خداوندِ عالم نے میرے ذریعے سے تمہاری ہدایت کی ۔۔ ؟

انہوں نے کہا کہ بے شک ایسا ہی ہے

تو آپ نے فرمایا کہ :

پھر تم لوگ یہ کیوں کہتے ہو کہ "تمہاری قوم نے تمہیں نکال دیا، تو ہم نے تمہیں پناہ دی ۔"

حضورِ اکرمؐ کی تنبیہ و سرزنش کے بعد ان لوگوں کو احساس پیدا ہوا کہ :
واقعاً صورتحال تو یہی کہ ہمیں نعمتِ ہدایت بھی حضورِ اکرم کے ذریعہ سے ملی ۔ اور دنیا میں ہماری حیثیت بھی آپ ہی کی نسبت سے بلند ہوئی ۔

جبکہ دین کو پھیلانے کے سلسلے میں حضورِ اکرمؐ نے بے انتہا زحمتیں برداشت کی ہیں، لہٰذا ہم لوگوں کو بھی آپ کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیئے جس سے آپؐ خوش ہوں ۔

چنانچہ وہ لوگ اپنے زانوؤں کے بل بیٹھ کر عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگے کہ :

"ہمارے مال اور جو کچھ ہمارے پاس ہے، سب ہم آپ کی خدمت میں پیش کرنے پر آمادہ ہیں ۔

اس موقع پر آیت نازل ہوئی کہ جس میں ان لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ حضورؐ اپنی زحمتوں کا تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتے ۔ بس تم لوگ اُن کے قرابت داروں سے محبت کیا کرو ۔

ف : پھر آپ نے اُن لوگوں کے کہے ہوئے جملوں کو دہرا کر سوال کیا کہ : "اب تم ترقی یافتہ باتیں کرنے لگے ۔" (نقل بالمعنی)

اس کے بعد حضورِ اکرمؐ نے اپنی آل و عترت کی منزلت واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ :

یاد رکھو— جو آلِ محمدؐ کی محبت پر جان دے وہ شہید مرتا ہے۔

— جو آلِ محمدؐ کی دوستی کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو' وہ مغفور مرتا ہے...

— جو آلِ محمدؐ کی دوستی پر مرے وہ کامل الایمان مرتا ہے۔

— جو آلِ محمدؐ کی محبت پر مرا اسے ملک الموت اور منکر نکیر بہشت کی خوشخبری دیتے ہیں۔

اس کے ساتھ آپؐ نے آلِ محمدؐ سے عداوت کرنے والوں کے انجام کو بھی واضح کر دیا

چنانچہ ارشاد فرمایا کہ :

یاد رکھو— جو آلِ محمدؐ کی عداوت پر مرا' قیامت میں اس کی پیشانی پر لکھ دیا جائے گا کہ یہ رحمتِ خدا سے مایوس ہے۔

— جو آلِ محمدؐ کی دشمنی پر مرا وہ کافر ہے۔

— جو آلِ محمدؐ کی دشمنی پر مرا وہ بہشت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکے گا۔

اور جب ایک موقع پر کسی نے پوچھا کہ :

یا حضرتؐ ! جن لوگوں کی محبت کو خداوند عالم نے واجب قرار دیا ہے— وہ کون ہیں ـ ؟

تو آپؐ نے فرمایا کہ : علیؑ ، فاطمہؑ ، اور اُن کے بیٹے حسنؑ و حسینؑ.

اور پھر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ :

وہ جو شخص ——

میرے اہلبیت پر ظلم کرے' اور مجھے میری عترت کے بارے

میں اذیت دے اس پر بہشت حرام ہے۔

حوالہ کیلئے ملاحظہ فرمایئے:

تفسیر کشاف: علامہ زمخشری نیز تفسیر در منثور:

علامہ سیوطی، مسند احمد بن حنبل اور صحاح ستہ وغیرہ

لیکن حضور اکرم کی اس واضح تاکید کے باوجود امت کے حکمرانوں نے اہلبیتِ طاہرین علیہم السلام پر بدترین مظالم ڈھائے، جن کے تذکرے سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کو اپنی حیاتِ طیبہ میں چھ عباسی حکمرانوں کا سامنا کرنا پڑا

معتصم۔ واثق۔ متوکل۔ منتصر۔ مستعین۔ اور معتز۔

اور ان میں سے ہر حکمران نے آپ کو گوناگوں اذیتیں پہونچائیں، یہاں تک کہ متعدد بار آپ کو قید و بند میں بھی زندگی گذارنی پڑی۔

اور وہ بھی اس قدر سخت کہ اگر کوئی آپ سے ملاقات کے لئے آتا تو اسے بڑے مراحل سے گذرنا پڑتا، یہاں تک کہ اس کی جان کو بھی خطرہ لاحق ہو جاتا۔

چنانچہ جناب ابن بالویہ اور دیگر بزرگان کی روایت ہے کہ:

جس زمانہ میں امام علیہ السلام، متوکل کے دربان "زرافہ" کی قید میں تھے آپ کے ایک عقیدت مند جس کا نام: صقر بن ابی دلف تھا، اپنے گھر سے نکلے کہ امام کے حالات دریافت کریں۔

جب اس سلسلہ میں وہ زرافہ کے پاس پہونچے تو اس نے پوچھا کہ کس لئے

آئے ہو۔؟

وہ خوف کی وجہ سے یہ بتانا نہیں چاہ رہے تھے کہ امامؑ کے حالات دریافت کرنے آئے ہیں، اس لئے بس اتنا کہا کہ: تم سے ملاقات کے لئے آیا ہوں

وہ کہتے ہیں کہ: اُس وقت وہاں بہت سے لوگ بیٹھے تھے، میں بھی وہیں بیٹھ گیا۔

زرافہ کو معلوم تھا کہ میں امام علی نقیؑ کے عقیدت مندوں میں سے ہوں۔ چنانچہ جب سب لوگ چلے گئے، اور وہ تنہا رہ گیا، تو کہنے لگا کہ:

" اپنے امامؑ اور سید و سردار کے حالات معلوم کرنے آئے ہو۔؟

میں نے خوف کی وجہ سے اقرار کرنے کے بجائے کچھ اور کہہ دیا۔

تو زرافہ بولا کہ: خاموش رہو، میں جانتا ہوں کہ تمہارے مولا ہی امام برحق ہیں، اور میں بھی اُن سے عقیدت رکھتا ہوں۔

پھر پوچھا کہ: بتاؤ، ان سے ملاقات کے آرزومند ہو؟

میں نے کہا کہ: ہاں! (آیا تو اسی غرض سے ہوں)

تو اس نے کہا کہ: ایک گھنٹہ انتظار کرو، تاکہ ڈاک کا ہرکارہ واپس چلا جائے۔

پھر جب وہ ہرکارہ چلا گیا۔ تو زرافہ نے ایک شخص کو بلایا، اور اس سے کہا۔ اِن کو لے جاؤ، اور اُن کے نزدیک پہونچا کر واپس آجاؤ۔

صقر کہتے ہیں کہ جب میں امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپؑ ایک چٹائی کے اوپر بیٹھے ہیں، اور آپ کے قریب ہی ایک قبر کھدی ہوئی ہے۔

میں نے سلام کیا۔ آپؑ کے پاس بیٹھ گیا۔ (اور رونے لگا)

آپ نے فرمایا کہ: کس لئے آئے ہو؟
میں نے عرض کیا کہ: میں آیا تو آپ کی خیریت دریافت کرنے ہوں۔
لیکن یہ قبر دیکھ کر دل میں بہت سے اندیشے آرہے ہیں جس کی وجہ سے
رو رہا ہوں۔
امام علیہ السلام نے فرمایا کہ: گریہ نہ کرو، ابھی ان لوگوں کی طرف سے
مجھے کوئی گزند پہونچنے والی نہیں ہے!
یہ سن کر میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ پھر ایک حدیث کی تشریح دریافت
کیا۔ جو آپ نے ارشاد فرما دی۔
پھر فرمایا کہ: اب یہاں سے رخصت ہو کر واپس چلے جاؤ۔ کیونکہ اندیشہ
ہے کہ (یہاں بیٹھنے کی وجہ سے) تمہیں کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے۔
(منتہی الآمال جلد ۲ صفحہ ۴۰۹ طبع جدید)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ: زمانہ اتنا سخت تھا کہ:
دربان بھی ڈرتا تھا، چنانچہ اس نے پوری طرح خلوت ہوجانے کا انتظار
کیا اس کے بعد اپنے کسی خاص آدمی کے ساتھ صقر کو امامؑ کے پاس بھیجا۔
صقر نے انتہائی رازداری کے ساتھ امامؑ کی خدمت میں حاضری دی۔
لیکن چونکہ یہ حاضری بھی ان کے لئے خطرناک تھی، اور حکامؑ کو پتہ چل جانے
کی صورت میں پریشانیاں پیدا ہو سکتی تھیں۔
اس لئے امامؑ نے انھیں مزید بیٹھنے سے منع کیا اور حکم دیا کہ تمہارے لئے خطرہ ہے
اس لئے اب واپس چلے جاؤ۔

شہادت

جیسا کہ چھٹے امام حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

مَا مِنَّا اِلَّا مَقْتُوْلٌ اَوْ مَسْمُوْمٌ ہم میں سے ہر ایک کو (یا تلوار سے) قتل کیا گیا، یا زہر دے دیا گیا[1]

(سوائے آخری حجت کے جنھیں خداوندِ عالم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے پردۂ غیب میں رکھا ہے، اور جس طرح سے کہ حضرت عیسیٰؑ کو قومِ یہود نے پھانسی دینی چاہی، تو اللہ نے اپنے خصوصی انتظام سے انھیں محفوظ مقام پر منتقل کر دیا، اسی طرح جب بنی عباس کے ظالم و جابر حکمرانوں کا ظلم و ستم حد سے بڑھ گیا، اور انہوں نے آخری حجت کی شمعِ حیات کو بھی خاموش کردینا چاہا تو اللہ نے انھیں پردۂ غیب میں محفوظ کر دیا۔) ان کے علاوہ ہمارے ہر امام کو یا تو تلوار سے شہید کیا گیا یا زہر سے۔

●

دسویں تاجدارِ امامت حضرت علی نقی علیہ السلام کو بھی معتز باللہ نامی عباسی حکمران کے دورِ سلطنت میں زہر کے ذریعے سے شہید کیا گیا۔

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ:

[1] ۔ مفہوم ملخص۔

منصبِ امامت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد) امام علی نقیؑ تقریباً تیرہ سال مدینہ منورہ میں رہے، اس کے بعد متوکل عباسی کے (ظلم و ستم کی بنا پر) سامراء منتقل ہوئے جہاں تقریباً بیس سال آپؑ نے زندگی گذاری۔

(منتہی الآمال جلد ۲: ۳۹۳)

اور یہ واضح ہے کہ ۲۲۰ھ میں، امام محمد تقیؑ کی شہادت کے بعد آپؑ نے منصبِ امامت کی ذمہ داریاں سنبھالی تھیں۔ اسی طرح ۲۳۳ھ (کے آخر) میں اگر آپ سامراء تشریف لے گئے (جیسا کہ ہم نے شروع میں عرض کیا ہے) تو سامراء میں، اپنی شہادت تک تقریباً بیس سال اور کچھ ماہ آپؑ کا قیام رہا۔

●

شیخ صدوق علیہ الرحمہ اور دیگر اربابِ علم کے قول کے مطابق: معتز باللہ کے دورِ حکومت میں اس کے بھائی، معتمد عباسی نے آپؑ کو زہر دیا، جس سے آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ پھر جب لوگوں کو آپؑ کے دنیا سے تشریف لے جانے کی خبر ملی تو پورا شہر امنڈ کر درِ دولت پر جمع ہوگیا۔

امام حسن عسکریؑ بہت شدت سے گریہ فرما رہے تھے، گریبان چاک تھا، روتے جاتے تھے، اور اپنے والد بزرگوار کی تجہیز و تکفین فرما رہے تھے۔

مسعودی نے "اثبات الوصیۃ" میں لکھا ہے کہ:

امام علی نقی علیہ السلام کی شہادت کے موقع پر خاندانِ بنی ہاشم

اولادِ حضرت ابوطالبؑ، اولادِ عباس کے تمام نمایاں افراد۔
اور بہت بڑی تعداد میں آپ کے شیعہ جمع تھے، ہر طرف آہ و فغاں کی آواز بلند تھی۔)

اور جیسا کہ متعدد علمائے کرام نے لکھا ہے: ۳؍رجب ۲۵۴ھ کو آپ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ حضرت امام حسن عسکریؑ نے اپنے پدر بزرگوار کو غسل و کفن دیا، جس کے بعد گھر کے باہر ایک شاہراہ پر آپ کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی اور تھوڑی دور تک تشییع جنازہ کے بعد واپس لا کر آپ کو بیت الشرف میں ہی دفن کیا گیا۔

●

ایک قول کے مطابق آپ کی شہادت دوشنبہ کے دن واقع واقع ہوئی تھی، اور حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے بارے میں بھی معروف یہی کہ آپؐ نے دوشنبہ کے دن رحلت فرمائی۔
چنانچہ جب امام علی نقی علیہ السلام کا جنازہ اٹھایا گیا تو گھر کی ایک خدمت گار خاتون نے آپؑ کے غم میں جو مرثیہ پڑھا، اس کا پہلا مصرع یہ تھا کہ:

مَاذَا لَقِيْنَا فِي يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ قَدِيْماً وَحَدِيْثاً

(افسوس!۔ ہم لوگوں نے زمانۂ قدیم میں بھی، اور اب بھی دوشنبہ کے دن کیسی کیسی مصیبتوں کا سامنا کیا۔)

●

ارباب تاریخ کا بیان ہے کہ جس وقت امامؑ کا جنازہ اٹھایا گیا تو سارے شہر میں کہرام بپا تھا۔ لوگ سیاہ پرچم اٹھائے ہوئے تھے

در و دیوار پر سیاہ چادریں لٹکا دی گئی تھیں، پوری فضا سوگوار اور ہر آنکھ اشکبار تھی۔

وَا اِمَامَا۔ وَا عَلِیَّا۔ وَامُصِیْبَتَاہُ

کی صدائیں بلند تھیں۔ ہزاروں، لاکھوں آہوں اور سسکیوں کے درمیان، گیارہویں تاجدار امامت امام حسن عسکریؑ نے اپنے پدر عالی قدر حضرت امام علی نقی علیہ السلام کو ان کے بیت الشرف میں دفن کیا۔

جہاں آج ایک عظیم الشان روضہ موجود ہے۔ جس کا طلائی گنبد دنیا بھر میں پھیلے ہوئے معصومینؑ کے روضوں میں سب سے بڑا گنبد ہے۔ جس کی شان و شوکت" اور جس کے نیچے آرام کرنے والے خاصانِ خدا کی عظمت و جلالت" دلوں میں ہمیشہ برقرار رہے گی۔

آپؑ کی اولاد

معروف قول کے مطابق :

"آپ کے چار بیٹے تھے اور ایک بیٹی۔

بیٹے : (۱) حضرت امام حسن عسکریؑ (۲) جناب سید محمد

(۳) سید حسین۔ اور (۴) : جعفر تواب۔

بیٹی کا نام مورخین نے علیہ لکھا ہے۔

● - امام حسن عسکری علیہ السلام کا تذکرہ تو ہم ایک مستقل کتاب میں کریں گے، جو آپ کے حالات زندگی پر مشتمل ہوگی۔

● - جناب سید محمد کے بارے میں محدث خبیر شیخ عباس قمی نے لکھا ہے کہ:-

"آپ کی کنیت ابو جعفر تھی اور آپ، حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔

نہایت جلیل القدر، عالم باعمل، عابد شب زندہ دار، متقی پرہیزگار، اور صاحب کرامات تھے، اور اس قدر پاکیزہ سیرت اور بلند کردار انسان تھے کہ جو لوگ سلسلۂ امامت کی تمام شخصیتوں سے نام بنام واقف نہ تھے، ان کا خیال تھا کہ شاید اپنے والد کے بعد یہی امام وقت ہونگے، کیونکہ فرزند اکبر بھی یہی انتہائی جلالت قدر کے مالک بھی اور صاحب کرامات بھی۔

لیکن اُن کا انتقال، اپنے والد بزرگوار کی زندگی میں ہی ہوگیا۔ اور عراق کے "بلد" نامی شہر میں اُن کا روضہ مرجعِ خاص و عام ہے۔

بغداد سے سامرا جائیں تو راستے میں "بلد" نامی شہر آتا ہے، جہاں بڑی تعداد میں عقیدت مند آپ کی قبر پر حاضری دیتے ہیں، منت مانتے ہیں، اور اُن کی منتیں پوری بھی ہوتی ہیں۔

اربابِ علم کا بیان ہے کہ: اہلِ عرب کے دلوں میں آپ کی جلالت و ہیبت اس قدر ہے کہ جس طرح دنیا بھر میں کوئی شخص حضرت عباس کا نام لے کر جھوٹی قسم نہیں کھاتا، اسی طرح اُس علاقہ میں جناب سید محمد کا نام لے کر بھی اہلِ عرب جھوٹی قسم کھانے سے ڈرتے ہیں کہ کہیں انھیں دنیا ہی میں اس کی سزا نہ مل جائے۔

آپ کی اولاد میں سے شمس الدین محمد بن علی بن محمد۔ جو میر سلطان بخاری کے نام سے معروف ہیں بہت بلند مرتبہ شخصیت ہیں، جنھیں بخاری اس لئے کہا گیا کہ وہ "بخارا" نامی شہر میں پیدا ہوئے تھے، اور اُن کی اولاد بھی بخاری کہی جاتی ہے۔

سید حسن براقی کا بیان ہے کہ جناب سید محمدؒ کی نسل، ان ہی شمس الدین۔ (سلطان بخاری) کی اولاد کے ذریعہ دنیا میں پھیلی ہے، اور علاء الدین ابراہیم، انکے فرزند علی، ان کے فرزند یوسف، اُن کے فرزند حمزہ اور اُن کے فرزند سید محمد بعاج کو خاص شہرت نصیب ہوئی۔

امام علی نقی علیہ السلام کے تیسرے فرزند کا نام "حسین" ہے جن کے بارے شیخ عباس قمی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ:

وہ ایک جلیل القدر اور عظیم الشان انسان تھے ۔ کیونکہ میں نے بعض روایات سے استفادہ کیا ہے کہ میرے مولا حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اور ان کے بھائی "حسینؑ" کو لوگ سبطین کہتے تھے، اور ان دونوں بھائیوں کو لوگ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں نواسوں، امام حسنؑ اور امام حسین علیہما السلام سے تشبیہ دیتے تھے۔

(جس طرح شہزادہ علی اکبر کو شبیہہ پیغمبر کہا جاتا ہے)

اور ابوالطیب کی روایت ہے کہ:

"حضرت حجت (امام زمانہؑ) کی آواز اپنے چچا "حسینؑ" کی آواز سے مشابہ ہے۔

اور جناب سید فقیہ محدث، احمد اردکانی یزدی کی کتاب "شجرۃ الاولیا" میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی اولاد کے تذکرہ کے ذیل میں یہ بھی لکھا ہے کہ،

"امام کے فرزند حسینؑ زاہد عابد تھے اور اپنے بھائی کی امامت کا اعتراف کرتے تھے۔

جہاں تک امامؑ کے چوتھے فرزند "جعفر" کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں بہت سی روایات اپنوں اور غیروں کی زبانی، کتابوں کے اندر موجود ہیں۔

لیکن کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی تمام باتوں سے توبہ کرلی تھی جس کے بعد "جعفر تواب" کے نام سے یاد کئے جانے لگے (واللہ اعلم)

حضرت امام علی نقیؑ کی تعلیم کردہ

ایک عظیم الشان زیارت

ہمارے دسویں تاجدارِ امامت حضرت علی نقی علیہ السلام کے زمانے میں متوکل عباسی نے سرکارِ سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضۂ اقدس کی زیارت سے لوگوں کو روکنے کے لئے ہر قسم کا ہتھکنڈہ استعمال کیا۔

چنانچہ اربابِ تاریخ کا بیان ہے کہ:

۲۳۲ھ ہجری میں تختِ خلافت و حکومت پر متمکن ہونے کے بعد متوکل عباسی نے آلِ محمدؐ کے خلاف ظلم و جور کا وہ بازار گرم کیا کہ لوگوں کو ایک بار پھر بنی امیہ کا زمانہ یاد آگیا۔

چنانچہ ابنِ اثیر کا بیان ہے کہ اس عباسی حکمران کو امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اور اُن کے اہلبیتِ کرامؑ سے انتہائی سخت بغض تھا۔

اربابِ تاریخ کا کہنا ہے کہ متوکل کو حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے شدید عداوت تھی اور وہ اُن کی منقصت کرتا تھا۔

اور تاریخ ابو الفداء کی روایت ہے کہ ابن سکیت شاعر نے جب اہلبیتِ طاہرینؑ کی مدح کرتے ہوئے کہا کہ حسنین علیہم السلام کے غلام قنبرؒ، موجودہ حکمراں کے فرزندوں سے بہتر ہیں — تو متوکل نے ابن سکیت کی زبان گدی سے کھنچوا دی

علامہ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ متوکل ناصبی تھا، حضرت علیؑ اور انکی اولاد کا سخت دشمن تھا۔

کربلائے معلیٰ کا روضہ جو عمر بن عبد العزیز کے زمانہ میں تعمیر ہوا تھا اُسکے اردگرد کے مکانات اس نے مسمار کرا دیئے اور لوگوں کو زیارات سے منع کیا۔
یہاں تک اُس نے حکم دیا کہ امام حسینؑ کے مزار مقدس، اور اُس کے قرب وجوار کے تمام مکانات منہدم کر کے وہاں زراعت کی جائے۔
مورخین کا بیان ہے کہ ہر چند اُس کے کارندوں نے کوشش کی مگر پانی امامؑ اور شہدائے کربلا کی قبروں پر جاری نہ ہوا۔ بلکہ جب بھی پانی کا ریلا لایا جاتا، وہ عترتِ طاہرہ کی قبور کے اردگرد آکر رک جاتا، جس سے لوگوں کو بڑی حیرت ہوتی۔
جس جگہ پانی آکر رک جاتا تھا، گویا حیران و ششدر رہ جاتا تھا کہ اب آگے کیسے بڑھوں؟ اُس حصہ کو "حائر" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور اس جگہ دعا مانگنے کی بہت فضیلت وارد ہوئی ہے۔

ایک طرف سلاطینِ زمانہ حضرات ائمہ طاہرینؑ علیہم السلام کی زیارت پر قدغن عائد کرنا چاہتے تھے تو دوسری طرف اسی زمانہ میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے تمام ائمہ طاہرین علیہم السلام کے روضۂ اقدس پر پڑھنے کے لئے وہ عظیم الشان زیارت تعلیم فرمائی جو نہایت عظیم مطالب پر مشتمل ہے اور تمام زیارتوں کے درمیان اس قدر مقبول ہے کہ آج "زیارت

"جامعہ کبیرہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

چنانچہ آقائے شیخ صدوق علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ:

"موسیٰ بن عبداللہ نخعی نے حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے گذارش کی کہ:

"فرزند رسولؐ — مجھے ایک ایسی زیارت تعلیم فرمایئے، جو بلاغت کے لحاظ سے درجۂ کمال پر فائز ہو۔ اور میں آپ (ائمہ طاہرینؑ) میں سے جس کی بھی زیارت کروں، پڑھ سکوں۔ تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ:

جب غسل کر کے صاف اور پاکیزہ لباس پہن کر (ائمہ طاہرینؑ کے) روضۂ اقدس پر پہونچو تو پہلے یہ پڑھو:

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ ،

وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

اور حرم مقدس میں داخل ہو جاؤ اور جب قبر انور پر نگاہ پڑے تو تیس مرتبہ "اللہ اکبر" کہو، اس کے بعد آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے تھوڑا سا اور آگے بڑھو۔ اور پھر تیس مرتبہ "اللہ اکبر" کہو، اس کے بعد تھوڑا اور آگے بڑھ کر قبر انور کے بالکل نزدیک پہونچ کر چالیس مرتبہ "اللہ اکبر" کہو، تا کہ "سو بار" تکبیر مکمل ہو جائے۔٭

اس کے بعد یہ زیارت پڑھو۔

٭ علامہ مجلسی اول نے لکھا ہے کہ:

"چونکہ بہت سے لوگوں کی طبیعتیں غلو کی طرف مائل ہوتی ہیں — اس لئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ، امام علیہ السلام نے اس کے سد باب کیلئے زیارت پڑھنے سے پہلے سو مرتبہ "اللہ اکبر کی کبریائی" کا اعلان کرنے کی تاکید فرمائی ہو۔

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ بَيْتِ النُّبُوَّةِ وَ مَوْضِعَ الرِّسَالَةِ
وَ مُخْتَلَفَ الْمَلَائِكَةِ وَ مَهْبِطَ الْوَحْيِ وَ مَعْدِنَ الرَّحْمَةِ وَ
خُزَّانَ الْعِلْمِ وَ مُنْتَهَى الْحِلْمِ وَ أُصُولَ الْكَرَمِ وَ قَادَةَ الْأُمَمِ وَ
أَوْلِيَاءَ النِّعَمِ وَ عَنَاصِرَ الْأَبْرَارِ وَ دَعَائِمَ الْأَخْيَارِ وَ
سَاسَةَ الْعِبَادِ وَ أَرْكَانَ الْبِلَادِ وَ أَبْوَابَ الْإِيمَانِ وَ أُمَنَاءَ
الرَّحْمَنِ وَ سُلَالَةَ النَّبِيِّينَ وَ صَفْوَةَ الْمُرْسَلِينَ وَ عِتْرَةَ
خِيَرَةِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَ رَحْمَةُ اللَّهِ وَ بَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَى
أَئِمَّةِ الْهُدَى وَ مَصَابِيحِ الدُّجَى وَ أَعْلَامِ التُّقَى وَ ذَوِي
النُّهَى وَ أُولِي الْحِجَى وَ كَهْفِ الْوَرَى وَ وَرَثَةِ الْأَنْبِيَاءِ وَ
الْمَثَلِ الْأَعْلَى وَ الدَّعْوَةِ الْحُسْنَى وَ حُجَجِ اللَّهِ عَلَى أَهْلِ الدُّنْيَا وَ
الْآخِرَةِ وَ الْأُولَى وَ رَحْمَةُ اللَّهِ وَ بَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَى مَحَالِّ
مَعْرِفَةِ اللَّهِ وَ مَسَاكِنِ بَرَكَةِ اللَّهِ وَ مَعَادِنِ حِكْمَةِ اللَّهِ وَ حَفَظَةِ
سِرِّ اللَّهِ وَ حَمَلَةِ كِتَابِ اللَّهِ وَ أَوْصِيَاءِ نَبِيِّ اللَّهِ وَ ذُرِّيَّةِ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَ رَحْمَةُ اللَّهِ وَ بَرَكَاتُهُ
السَّلَامُ عَلَى الدُّعَاةِ إِلَى اللَّهِ وَ الْأَدِلَّاءِ عَلَى مَرْضَاتِ اللَّهِ وَ
الْمُسْتَقِرِّينَ فِي أَمْرِ اللَّهِ وَ التَّامِّينَ فِي مَحَبَّةِ اللَّهِ وَ الْمُخْلِصِينَ
فِي تَوْحِيدِ اللَّهِ وَ الْمُظْهِرِينَ لِأَمْرِ اللَّهِ وَ نَهْيِهِ وَ عِبَادِهِ
الْمُكْرَمِينَ الَّذِينَ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَ هُمْ بِأَمْرِهِ
يَعْمَلُونَ وَ رَحْمَةُ اللَّهِ وَ بَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَى الْأَئِمَّةِ
الدُّعَاةِ وَ الْقَادَةِ الْهُدَاةِ وَ السَّادَةِ الْوُلَاةِ وَ الذَّادَةِ الْحُمَاةِ
وَ أَهْلِ الذِّكْرِ وَ أُولِي الْأَمْرِ وَ بَقِيَّةِ اللَّهِ وَ خِيَرَتِهِ وَ حِزْبِهِ
وَ عَيْبَةِ عِلْمِهِ وَ حُجَّتِهِ وَ صِرَاطِهِ وَ نُورِهِ وَ بُرْهَانِهِ وَ
رَحْمَةُ اللَّهِ وَ بَرَكَاتُهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيكَ لَهُ كَمَا شَهِدَ اللَّهُ لِنَفْسِهِ وَ شَهِدَتْ لَهُ

ملائكته واولوا العلم من خلقه لا اله الا هو
العزيز الحكيم واشهد ان محمدا عبده المنتجب و
رسوله المرتضى ارسله بالهدى ودين الحق ليظهره على
الدين كله ولو كره المشركون واشهد انكم
الائمة الراشدون المهديون المعصومون المكرمون
المقربون المتقون الصادقون المصطفون المطيعون
لله القوامون بامره العاملون بارادته الفائزون بكرامته
اصطفاكم بعلمه وارتضاكم لغيبه واختاركم
لسره واجتباكم بقدرته واعزكم بهداه و
خصكم ببرهانه وانتجبكم لنوره وايدكم بروحه
ورضيكم خلفاء في ارضه وحججا على بريته و
انصارا لدينه وحفظة لسره وخزنة لعلمه و
مستودعا لحكمته وتراجمة لوحيه واركانا لتوحيده
وشهداء على خلقه واعلاما لعباده ومنارا في بلاده
وادلاء على صراطه عصمكم الله من الزلل وآمنكم
من الفتن وطهركم من الدنس واذهب عنكم
الرجس وطهركم تطهيرا فعظمتم جلاله واكبرتم
شانه ومجدتم كرمه وادمتم ذكره ووكدتم ميثاقه
واحكمتم عقد طاعته ونصحتم له في السر والعلانية
ودعوتم الى سبيله بالحكمة والموعظة الحسنة
وبذلتم انفسكم في مرضاته وصبرتم على ما اصابكم
في جنبه واقمتم الصلوة وآتيتم الزكوة وامرتم
بالمعروف ونهيتم عن المنكر وجاهدتم في الله حق
جهاده حتى اعلنتم دعوته وبينتم فرائضه و

اَقَمْتُمْ حُدُوْدَهٗ وَنَشَرْتُمْ شَرَايِعَ اَحْكَامِهٖ وَسَنَنْتُمْ
سُنَّتَهٗ وَصِرْتُمْ فِيْ ذٰلِكَ مِنْهُ اِلَى الرِّضَا وَسَلَّمْتُمْ لَهُ
الْقَضَاۤءَ وَصَدَّقْتُمْ مِنْ رُسُلِهٖ مَنْ مَضٰى فَالرَّاغِبُ
عَنْكُمْ مَارِقٌ وَاللَّازِمُ لَكُمْ لَاحِقٌ وَالْمُقَصِّرُ فِيْ حَقِّكُمْ
زَاهِقٌ وَالْحَقُّ مَعَكُمْ وَفِيْكُمْ وَمِنْكُمْ وَاِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ
اَهْلُهٗ وَمَعْدِنُهٗ وَمِيْرَاثُ النُّبُوَّةِ عِنْدَكُمْ وَاِيَابُ الْخَلْقِ
اِلَيْكُمْ وَحِسَابُهُمْ عَلَيْكُمْ وَفَصْلُ الْخِطَابِ عِنْدَكُمْ وَ
اٰيَاتُ اللّٰهِ لَدَيْكُمْ وَعَزَاۤئِمُهٗ فِيْكُمْ وَنُوْرُهٗ وَبُرْهَانُهٗ
عِنْدَكُمْ وَاَمْرُهٗ اِلَيْكُمْ مَنْ وَالَاكُمْ فَقَدْ وَالَى اللّٰهَ وَمَنْ
عَادَاكُمْ فَقَدْ عَادَ اللّٰهَ وَمَنْ اَحَبَّكُمْ فَقَدْ اَحَبَّ اللّٰهَ وَمَنْ
اَبْغَضَكُمْ فَقَدْ اَبْغَضَ اللّٰهَ وَمَنِ اعْتَصَمَ بِكُمْ فَقَدِ اعْتَصَمَ
بِاللّٰهِ اَنْتُمُ الصِّرَاطُ الْاَقْوَمُ وَشُهَدَاۤءُ دَارِ الْفَنَاۤءِ وَشُفَعَاۤءُ
دَارِ الْبَقَاۤءِ وَالرَّحْمَةُ الْمَوْصُوْلَةُ وَالْاٰيَةُ الْمَخْزُوْنَةُ
وَالْاَمَانَةُ الْمَحْفُوْظَةُ وَالْبَابُ الْمُبْتَلٰى بِهِ النَّاسُ مَنْ
اَتَاكُمْ نَجٰى وَمَنْ لَمْ يَاْتِكُمْ هَلَكَ اِلَى اللّٰهِ تَدْعُوْنَ وَعَلَيْهِ
تَدُلُّوْنَ وَبِهٖ تُؤْمِنُوْنَ وَلَهٗ تُسَلِّمُوْنَ وَبِاَمْرِهٖ تَعْمَلُوْنَ وَاِلٰى
سَبِيْلِهٖ تُرْشِدُوْنَ وَبِقَوْلِهٖ تَحْكُمُوْنَ سَعِدَ مَنْ وَالَاكُمْ وَ
هَلَكَ مَنْ عَادَاكُمْ وَخَابَ مَنْ جَحَدَكُمْ وَضَلَّ مَنْ
فَارَقَكُمْ وَفَازَ مَنْ تَمَسَّكَ بِكُمْ وَاَمِنَ مَنْ لَجَاَ اِلَيْكُمْ
وَسَلِمَ مَنْ صَدَّقَكُمْ وَهُدِيَ مَنِ اعْتَصَمَ بِكُمْ مَنِ
اتَّبَعَكُمْ فَالْجَنَّةُ مَاْوٰىهُ وَمَنْ خَالَفَكُمْ فَالنَّارُ مَثْوٰىهُ
وَمَنْ جَحَدَكُمْ كَافِرٌ وَمَنْ حَارَبَكُمْ مُشْرِكٌ وَمَنْ رَدَّ
عَلَيْكُمْ فِيْ اَسْفَلِ دَرْكٍ مِنَ الْجَحِيْمِ اَشْهَدُ اَنَّ هٰذَا
سَابِقٌ لَكُمْ فِيْمَا مَضٰى وَجَارٍ لَكُمْ فِيْمَا بَقِيَ وَاَنَّ اَرْوَاحَكُمْ

وَنُورَكُمْ وَطِينَتَكُمْ وَاحِدَةٌ طَابَتْ وَطَهُرَتْ بَعْضُهَا
مِنْ بَعْضٍ خَلَقَكُمُ اللّٰهُ أَنْوَارًا فَجَعَلَكُمْ بِعَرْشِهِ
مُحْدِقِينَ حَتّٰى مَنَّ عَلَيْنَا بِكُمْ فَجَعَلَكُمْ فِي بُيُوتٍ أَذِنَ
اللّٰهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَجَعَلَ صَلَوَاتِنَا عَلَيْكُمْ
وَمَا خَصَّنَا بِهِ مِنْ وِلَايَتِكُمْ طِيبًا لِخَلْقِنَا وَطَهَارَةً لِأَنْفُسِنَا
وَتَزْكِيَةً لَنَا وَكَفَّارَةً لِذُنُوبِنَا فَكُنَّا عِنْدَهُ مُسَلِّمِينَ
بِفَضْلِكُمْ وَمَعْرُوفِينَ بِتَصْدِيقِنَا إِيَّاكُمْ فَبَلَغَ اللّٰهُ بِكُمْ
أَشْرَفَ مَحَلِّ الْمُكَرَّمِينَ وَأَعْلَى مَنَازِلِ الْمُقَرَّبِينَ وَأَرْفَعَ
دَرَجَاتِ الْمُرْسَلِينَ حَيْثُ لَا يَلْحَقُهُ لَاحِقٌ وَلَا يَفُوقُهُ
فَائِقٌ وَلَا يَسْبِقُهُ سَابِقٌ وَلَا يَطْمَعُ فِي إِدْرَاكِهِ طَامِعٌ
حَتّٰى لَا يَبْقٰى مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ وَلَا صِدِّيقٌ
وَلَا شَهِيدٌ وَلَا عَالِمٌ وَلَا جَاهِلٌ وَلَا دَنِيٌّ وَلَا فَاضِلٌ
وَلَا مُؤْمِنٌ صَالِحٌ وَلَا فَاجِرٌ طَالِحٌ وَلَا جَبَّارٌ عَنِيدٌ وَلَا
شَيْطَانٌ مَرِيدٌ وَلَا خَلْقٌ فِيمَا بَيْنَ ذٰلِكَ شَهِيدٌ إِلَّا
عَرَّفَهُمْ جَلَالَةَ أَمْرِكُمْ وَعِظَمَ خَطَرِكُمْ وَكِبَرَ شَأْنِكُمْ وَ
تَمَامَ نُورِكُمْ وَصِدْقَ مَقَاعِدِكُمْ وَثَبَاتَ مَقَامِكُمْ وَشَرَفَ
مَحَلِّكُمْ وَمَنْزِلَتِكُمْ عِنْدَهُ وَكَرَامَتَكُمْ عَلَيْهِ وَخَاصَّتَكُمْ
لَدَيْهِ وَقُرْبَ مَنْزِلَتِكُمْ مِنْهُ بِأَبِي أَنْتُمْ وَأُمِّي وَأَهْلِي وَ
مَالِي وَأُسْرَتِي أُشْهِدُ اللّٰهَ وَأُشْهِدُكُمْ أَنِّي مُؤْمِنٌ بِكُمْ وَ
بِمَا آمَنْتُمْ بِهِ كَافِرٌ بِعَدُوِّكُمْ وَبِمَا كَفَرْتُمْ بِهِ مُسْتَبْصِرٌ
بِشَأْنِكُمْ وَبِضَلَالَةِ مَنْ خَالَفَكُمْ مُوَالٍ لَكُمْ وَلِأَوْلِيَائِكُمْ
مُبْغِضٌ لِأَعْدَائِكُمْ وَمُعَادٍ لَهُمْ سِلْمٌ لِمَنْ سَالَمَكُمْ
وَحَرْبٌ لِمَنْ حَارَبَكُمْ مُحَقِّقٌ لِمَا حَقَّقْتُمْ مُبْطِلٌ لِمَا
أَبْطَلْتُمْ مُطِيعٌ لَكُمْ عَارِفٌ بِحَقِّكُمْ مُقِرٌّ بِفَضْلِكُمْ

مُحْتَمِلٌ لِعِلْمِكُمْ مُحْتَجِبٌ بِذِمَّتِكُمْ مُعْتَرِفٌ بِكُمْ مُؤْمِنٌ
بِإِيَابِكُمْ مُصَدِّقٌ بِرَجْعَتِكُمْ مُنْتَظِرٌ لِأَمْرِكُمْ
مُرْتَقِبٌ لِدَوْلَتِكُمْ آخِذٌ بِقَوْلِكُمْ عَامِلٌ لِأَمْرِكُمْ
مُسْتَجِيرٌ بِكُمْ زَائِرٌ لَكُمْ لَائِذٌ عَائِذٌ بِقُبُورِكُمْ
مُسْتَشْفِعٌ إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ بِكُمْ وَمُتَقَرِّبٌ بِكُمْ
إِلَيْهِ وَمُقَدِّمُكُمْ أَمَامَ طَلِبَتِي وَحَوَائِجِي وَإِرَادَتِي
فِي كُلِّ أَحْوَالِي وَأُمُورِي مُؤْمِنٌ بِسِرِّكُمْ وَعَلَانِيَتِكُمْ
وَشَاهِدِكُمْ وَغَائِبِكُمْ وَأَوَّلِكُمْ وَآخِرِكُمْ وَمُفَوِّضٌ
فِي ذٰلِكَ كُلِّهِ إِلَيْكُمْ وَمُسَلِّمٌ فِيهِ مَعَكُمْ وَقَلْبِي لَكُمْ
مُسَلِّمٌ وَرَأْيِي لَكُمْ تَبَعٌ وَنُصْرَتِي لَكُمْ مُعَدَّةٌ حَتّٰى
يُحْيِيَ اللّٰهُ تَعَالَى دِينَهُ بِكُمْ وَيَرُدَّكُمْ فِي أَيَّامِهِ وَ
يُظْهِرَكُمْ لِعَدْلِهِ وَيُمَكِّنَكُمْ فِي أَرْضِهِ فَمَعَكُمْ
مَعَكُمْ لَا مَعَ غَيْرِكُمْ آمَنْتُ بِكُمْ وَتَوَلَّيْتُ بِهِ أَوَّلَكُمْ
وَبَرِئْتُ إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ أَعْدَائِكُمْ وَمِنَ الْجِبْتِ
وَالطَّاغُوتِ وَالشَّيَاطِينِ وَحِزْبِهِمُ الظَّالِمِينَ لَكُمُ
الْجَاحِدِينَ لِحَقِّكُمْ وَالْمَارِقِينَ مِنْ وِلَايَتِكُمْ وَ
الْغَاصِبِينَ لِإِرْثِكُمُ الشَّاكِّينَ فِيكُمُ الْمُنْحَرِفِينَ
عَنْكُمْ وَمِنْ كُلِّ وَلِيجَةٍ دُونَكُمْ وَكُلِّ مُطَاعٍ
سِوَاكُمْ وَمِنَ الْأَئِمَّةِ الَّذِينَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ فَثَبَّتَنِيَ
اللّٰهُ أَبَدًا مَا حَيِيتُ عَلَى مُوَالَاتِكُمْ وَمَحَبَّتِكُمْ وَ
دِينِكُمْ وَوَفَّقَنِي لِطَاعَتِكُمْ وَرَزَقَنِي شَفَاعَتَكُمْ وَ

جَعَلَنِي مِنْ خِيَارِ مَوَالِيكُمْ التَّابِعِينَ لِمَا دَعَوْتُمْ إِلَيْهِ
وَجَعَلَنِي مِمَّنْ يَقْتَصُّ آثَارَكُمْ وَيَسْلُكُ سَبِيلَكُمْ
وَيَهْتَدِي بِهُدَاكُمْ وَيُحْشَرُ فِي زُمْرَتِكُمْ وَيَكِرُّ
فِي رَجْعَتِكُمْ وَيُمَلَّكُ فِي دَوْلَتِكُمْ وَيُشَرَّفُ فِي
عَافِيَتِكُمْ وَيُمَكَّنُ فِي أَيَّامِكُمْ وَتَقَرُّ عَيْنُهُ غَدًا
بِرُؤْيَتِكُمْ بِأَبِي أَنْتُمْ وَأُمِّي وَنَفْسِي وَأَهْلِي وَمَالِي مَنْ
أَرَادَ اللهَ بَدَأَ بِكُمْ وَمَنْ وَحَّدَهُ قَبِلَ عَنْكُمْ وَمَنْ
قَصَدَهُ تَوَجَّهَ بِكُمْ مَوَالِيَّ لَا أُحْصِي ثَنَاءَكُمْ وَلَا أَبْلُغُ
مِنَ الْمَدْحِ كُنْهَكُمْ وَمِنَ الْوَصْفِ قَدْرَكُمْ وَأَنْتُمْ
نُورُ الْأَخْيَارِ وَهُدَاةُ الْأَبْرَارِ وَحُجَجُ الْجَبَّارِ بِكُمْ
فَتَحَ اللهُ وَبِكُمْ يَخْتِمُ وَبِكُمْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَبِكُمْ
يُمْسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ وَبِكُمْ
يُنَفِّسُ الْهَمَّ وَيَكْشِفُ الضُّرَّ وَعِنْدَكُمْ مَا نَزَلَتْ
بِهِ رُسُلُهُ وَهَبَطَتْ بِهِ مَلَائِكَتُهُ وَإِلَى جَدِّكُمْ
(وَإِلَى أَخِيكَ) بُعِثَ الرُّوحُ الْأَمِينُ آتَاكُمُ اللهُ مَا لَمْ
يُؤْتِ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ طَأْطَأَ كُلُّ شَرِيفٍ لِشَرَفِكُمْ
وَبَخَعَ كُلُّ مُتَكَبِّرٍ لِطَاعَتِكُمْ وَخَضَعَ كُلُّ
جَبَّارٍ لِفَضْلِكُمْ وَذَلَّ كُلُّ شَيْءٍ لَكُمْ وَأَشْرَقَتِ
الْأَرْضُ بِنُورِكُمْ وَفَازَ الْفَائِزُونَ بِوِلَايَتِكُمْ بِكُمْ
يُسْلَكُ إِلَى الرِّضْوَانِ وَعَلَى مَنْ جَحَدَ وِلَايَتَكُمْ غَضَبُ
الرَّحْمٰنِ بِأَبِي أَنْتُمْ وَأُمِّي وَنَفْسِي وَأَهْلِي وَمَالِي ذِكْرُكُمْ

فِي الْأَسْمَاءِ وَأَجْسَادُكُمْ فِي الْأَجْسَادِ وَأَرْوَاحُكُمْ فِي
الْأَرْوَاحِ وَأَنْفُسُكُمْ فِي النُّفُوسِ وَآثَارُكُمْ فِي الْآثَارِ
وَقُبُورُكُمْ فِي الْقُبُورِ فَمَا أَحْلَى أَسْمَائَكُمْ وَأَكْرَمَ
أَنْفُسَكُمْ وَأَعْظَمَ شَأْنَكُمْ وَأَجَلَّ خَطَرَكُمْ وَأَوْفَى
عَهْدَكُمْ وَأَصْدَقَ وَعْدَكُمْ كَلَامُكُمْ نُورٌ وَ
أَمْرُكُمْ رُشْدٌ وَوَصِيَّتُكُمُ التَّقْوَى وَفِعْلُكُمُ الْخَيْرُ
وَعَادَتُكُمُ الْإِحْسَانُ وَسَجِيَّتُكُمُ الْكَرَمُ وَشَأْنُكُمُ
الْحَقُّ وَالصِّدْقُ وَالرِّفْقُ وَقَوْلُكُمْ حُكْمٌ وَ
حَتْمٌ وَرَأْيُكُمْ عِلْمٌ وَحِلْمٌ وَحَزْمٌ إِنْ ذُكِرَ الْخَيْرُ
كُنْتُمْ أَوَّلَهُ وَأَصْلَهُ وَفَرْعَهُ وَمَعْدِنَهُ وَمَأْوَاهُ وَ
مُنْتَهَاهُ بِأَبِي أَنْتُمْ وَأُمِّي وَنَفْسِي كَيْفَ أَصِفُ
حُسْنَ ثَنَائِكُمْ وَأُحْصِي جَمِيلَ بَلَائِكُمْ وَبِكُمْ
أَخْرَجَنَا اللهُ مِنَ الذُّلِّ وَفَرَّجَ عَنَّا غَمَرَاتِ الْكُرُوبِ
وَأَنْقَذَنَا مِنْ شَفَا جُرُفِ الْهَلَكَاتِ مِنَ النَّارِ بِأَبِي
أَنْتُمْ وَأُمِّي وَنَفْسِي بِمُوَالَاتِكُمْ عَلَّمَنَا اللهُ مَعَالِمَ دِينِنَا وَ
أَصْلَحَ مَا كَانَ فَسَدَ مِنْ دُنْيَانَا وَبِمُوَالَاتِكُمْ تَمَّتِ
الْكَلِمَةُ وَعَظُمَتِ النِّعْمَةُ وَائْتَلَفَتِ الْفُرْقَةُ وَبِمُوَالَاتِكُمْ
تُقْبَلُ الطَّاعَةُ الْمُفْتَرَضَةُ وَلَكُمُ الْمَوَدَّةُ الْوَاجِبَةُ وَالدَّرَجَاتُ
الرَّفِيعَةُ وَالْمَقَامُ الْمَحْمُودُ وَالْمَكَانُ الْمَعْلُومُ عِنْدَ اللهِ
عَزَّ وَجَلَّ وَالْجَاهُ الْعَظِيمُ وَالشَّأْنُ الْكَبِيرُ وَالشَّفَاعَةُ
الْمَقْبُولَةُ رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ

فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا۔

يَا وَلِيَّ اللَّهِ إِنَّ بَيْنِي وَبَيْنَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ ذُنُوبًا لَا يَأْتِي عَلَيْهَا إِلَّا رِضَاكُمْ فَبِحَقِّ مَنِ ائْتَمَنَكُمْ عَلَى سِرِّهِ وَاسْتَرْعَاكُمْ أَمْرَ خَلْقِهِ وَقَرَنَ طَاعَتَكُمْ بِطَاعَتِهِ لَمَّا اسْتَوْهَبْتُمْ ذُنُوبِي وَكُنْتُمْ شُفَعَائِي فَإِنِّي لَكُمْ مُطِيعٌ مَنْ أَطَاعَكُمْ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ عَصَاكُمْ فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَمَنْ أَحَبَّكُمْ فَقَدْ أَحَبَّ اللَّهَ وَمَنْ أَبْغَضَكُمْ فَقَدْ أَبْغَضَ اللَّهَ۔

اللَّهُمَّ إِنِّي لَوْ وَجَدْتُ شُفَعَاءَ أَقْرَبَ إِلَيْكَ مِنْ مُحَمَّدٍ وَأَهْلِ بَيْتِهِ الْأَخْيَارِ الْأَئِمَّةِ الْأَبْرَارِ لَجَعَلْتُهُمْ شُفَعَائِي۔

فَبِحَقِّهِمُ الَّذِي أَوْجَبْتَ لَهُمْ عَلَيْكَ أَسْأَلُكَ أَنْ تُدْخِلَنِي فِي جُمْلَةِ الْعَارِفِينَ بِهِمْ وَبِحَقِّهِمْ وَفِي زُمْرَةِ الْمَرْحُومِينَ بِشَفَاعَتِهِمْ إِنَّكَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ الطَّاهِرِينَ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا وَحَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ۔

نوٹ: نجف اشرف کے علاوہ جس روضہ پر بھی حاضر ہوں تو "والی جملہ" بھی پڑھیں، لیکن اگر نجف اشرف میں حضرت امیر المومنین کے روضہ پر حاضری دیں تو "والی اخیک" پڑھیں۔

اے اہلبیتِ نبوت و مرکزِ رسالت! فرشتوں کے آنے جانے کا مقام، وحی کے نزول کی جگہ، رحمت کے معدن، علم کے خزانے، علم و بردباری کی انتہا، کرم کی بنیاد، تمام اقوامِ عالم کے قائد، نعمتوں کے سرپرست، نیکیوں کے عنصر، اچھائیوں کے ستون، بندگانِ خدا سید و سردار، آبادیوں کے ارکان، ایمان کے ابواب، رحمان کے امانتدار، انبیاء (کی صفات) کا جوہر، مرسلین کا انتخاب اور اللہ کی سب سے عظیم المرتبت مخلوق (حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اہلِ خاندان)

آپ حضرات پر سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں و برکتیں

اے ائمہ ہدایت! تاریکیوں میں چراغ، تقویٰ کے پرچم! مرکزِ عقل و دانش، کائنات کی پناہ گاہ، انبیاء کے وارث، سب سے اعلیٰ مثال، سب سے حسین پیغام، اور دنیا و آخرت کے لوگوں پر اللہ کی حجت و نشانی۔

آپ حضرات پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں

اے معرفتِ الٰہی کے مرکز! اللہ کی برکتوں کے مسکن، حکمتِ الٰہی کے معدن اور رموزِ خداوندی کے محافظ، کتابِ الٰہی کے پاسبان، نبی اکرمؐ کے برحق جانشین، اور حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی اولاد!

آپ حضرات پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں

اے خداوندِ عالم کی طرف دعوت دینے والے، اُس کی خوشنودیوں کی طرف رہنمائی کرنے والے، امرِ پروردگار پر ثابت قدم رہنے، محبتِ الٰہی میں کامل، توحیدِ الٰہی میں صاحبانِ خلوص، خدا کے امرونہی کو ظاہر کرنے والے اُس کے نہایت مکرم بندے ۔۔ جو گفتگو میں اس پر سبقت نہیں کرتے۔ اور اُس کے حکم کے مطابق ہی عمل کرتے ہیں۔

آپ حضرات پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں

اے ائمۂ برحق: اللہ کی طرف دعوت دینے والے
بندوں کی قیادت کرنے والے سید و سردار، والی و سرپرست،
دفاع و حمایت کرنے والے، صاحبانِ ذکر، اولی الامر بقیۃ اللہ
اُس کے بندوں میں سب سے نیک، اُس کے خاص بندے اُسکے
علم کے خزانے، اُس کی طرف سے (بندوں کیلئے) حجت صراطِ مستقیم
اور نور و برھان۔

• آپ حضرات پر سلام، اور اللہ کی رحمتیں اور اُسکی برکتیں •

میں گواہی دیتا ہوں کہ خداوندِ عالم یک و تنہا ہے اُس کا
کوئی شریک نہیں ہے، جیسا کہ اُس نے خود بھی گواہی دی ہے،
اُس کے فرشتے بھی گواہ ہیں اور مخلوقات میں سے صاحبانِ علم بھی،
اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰؐ خدا کے
منتخب بندے اور پسندیدہ رسولؐ ہیں جنھیں اُس نے ہدایت اور
دینِ حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ اُنھیں ہر دین پر غالب کرے، اگرچہ یہ
بات مشرکوں کو ناگوار ہی کیوں نہ گذرے؛

اور اسی کے ساتھ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ:

(اے اہلِ بیتِ پیغمبرؐ!) آپ ہی امام برحق، رہنمائی کرنے والے، ہدایت یافتہ، معصوم، مکرّم، مقرب بارگاہِ خداوندی، صاحبانِ تقویٰ، اہلِ صدق و صفا، اللہ کی خالص اطاعت کرنے والے، اس کے امر کو قائم کرنے والے، اُس کے ارادوں پر عمل کرنے والے، اس کی کرامت پر فائز ہونے والے ہیں۔

خداوندِ عالم نے آپ حضرات کو اپنے علوم کے لئے منتخب کیا، اپنے غیب کے لئے پسند کیا، اپنے راز کے لئے اختیار کیا، اپنی قدرت سے آپ کو مجتبیٰ بنایا، ہدایت کی بناء پر معزز بنایا۔ اپنی برہان کو آپ کیلئے مخصوص قرار دیا، اپنے نور کیلئے آپ کا انتخاب کیا، اپنی روح کے ذریعے آپ کی تائید فرمائی، اپنی زمین پر آپ کو اپنی نیابت کے لئے منتخب کیا۔ مخلوقات پر آپ کو اپنی حجت قرار دیا، آپ حضرات کو اپنے دین کا مددگار، اپنے رازوں کا محافظ، اپنے علم کا خزینہ دار، اپنی حکمت کا ورثہ دار، اپنی وحی کا ترجمان، توحید کے ارکان، مخلوقات کے لئے گواہ، بندوں کے لئے نشانِ راہ، شہروں میں روشنی کا چراغ

صراطِ مستقیم کی طرف رہنما بنایا۔

آپ حضرات کو ہر قسم کی خطا و لغزش سے محفوظ و معصوم، ہر عیب سے بری، اور ہر نقص سے پاک قرار دیا۔ ہر قسم کے رجس کو آپ سے دُور رکھا، اور آپ کو ایسا طیب و طاہر قرار دیا، جو طہارت کا حق ہے۔

آپ نے خداوندِ عالم کی جلالتِ قدر کی تعظیم کی، اس کی شان کو نمایاں کیا، اُس کے کرم کی تحمید و تمجید کی، اس کے ذکر کو دوام بخشا اُس کے میثاق کی تاکید کی، اس کی اطاعت کے عہد و پیمان کو مستحکم کیا، ظاہر و باطن میں اُس سے اخلاص برتا، حکمت و دانائی اور عمدہ نصیحت کے ذریعے سے لوگوں کو خدا کے راستہ کی طرف بُلایا اُس کی خوشنودی کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا، اور اس کی راہ میں جن مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا، اُن پر صبر کیا؛

آپ نے نماز قائم کی، زکواۃ ادا کی، (لوگوں کو) نیکی کی ہدایت کی، بُرائی سے روکا، اور خدا کی راہ میں جہاد کا حق ادا کیا۔

یہاں تک کہ اُس کی دعوت کو عام کیا، اُس کے فرائض کو واضح کیا، اُس کے حدود کو قائم کیا، اُس کے احکامِ شریعت کی نشر و اشاعت

کی۔ اور اُس سے سُنتن کی وضاحت کی۔

اور ان تمام باتوں میں آپ کی توجہ اس کی رضا کی طرف رہی اُسکے ہر فیصلے کو آپ نے تسلیم کیا، اور سابقہ پیغمبروں کی بھی آپ نے بھرپور تصدیق فرمائی۔

(اے اہلبیتِ پیغمبرؐ!) جو شخص آپ سے منحرف ہوگیا، وہ دین سے خارج ہے، جو آپ سے وابستہ ہو وہ دین سے پیوستہ ہے، اور جو آپ کے حق میں کوتاہی کرے وہ برباد ہے، کیونکہ حق آپ ہی کے ساتھ ہے، آپ کے گھر میں ہے، آپ کے یہاں سے ہے اور آپ ہی کی طرف ہے، آپ ہی اہلِ حق بھی ہیں، اور معدنِ حق بھی۔ نبوت کی میراث آپ ہی کے پاس ہے، بندوں کو آخر کار آپ ہی کی طرف آنا ہے، آپ ہی ان کا محاسبہ کرنے والے ہیں۔ فصل الخطاب آپ ہی کے پاس ہے، آیاتِ الٰہی کا مرکز آپ ہی حضرات ہیں۔

(قرآن مجید کی) اہم ترین آیتیں آپ حضرات کے بارے میں (نازل) ہوئی ہیں، اُس کا نور و برہان آپ کے پاس ہے

دراُن کا امر بھی آپ ہی کے اختیار میں ہے۔ جو شخص آپ حضرات سے محبت کرے' وہ درحقیقت خدا سے محبت کرتا ہے' اور جو آپ سے عداوت کرے وہ خدا سے عداوت کرتا ہے' آپ سے اُلفت رکھنے والا' خدا سے اُلفت رکھنے والا ہے' جو آپ سے بغض رکھے' وہ درحقیقت خدا سے بغض رکھتا ہے' اور جو آپ سے وابستہ رہے۔ وہ درحقیقت خدا سے وابستہ ہے۔

آپ ہی کی ذات مضبوط ترین صراط ہے' اس دنیا میں لوگوں پر گواہ' اور آخرت میں شفاعت کرنے والے آپ ہیں۔ آپ اللہ کی بے پایاں رحمت ہیں' اس کی مخفی نشانی اس کی محفوظ امانت ہیں' اور وہ باب خدا وندی ہیں۔ جس کے ذریعے لوگوں کا امتحان لیا گیا ہے ــ پھر جو شخص آپ کی طرف آ گیا' اُس کے لئے نجات ہے' اور جو آپ سے دُور ہو' اُس کے لئے ھلاکت ہے۔

آپ حضرات : اللہ ہی کی طرف دعوت دیتے ہیں' اُسی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں' اُسی پر ایمان رکھتے ہیں' اسی کے

آگے تسلیم خم کرتے ہیں' اسی کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں' اسی کے راستے کی طرف رہبری کرتے ہیں' اور اسی کے فرمان کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔

خوش قسمت ہے وہ شخص جسے آپ کی ولایت نصیب ہو' اور ہلاکت و بربادی ہے اُس شخص کے لئے۔ جو آپ سے عداوت رکھے۔ جس نے آپ (کے حق) کا انکار کیا وہ (قیامت میں) خائب و خاسر رہے گا۔ جس نے آپ کا ساتھ چھوڑا' وہ گمراہ ہے' جو آپ کے دامن سے وابستہ رہا' وہ فائز المرام ہے' جو آپ کی پناہ میں آجائے' اس کے لئے امان ہے' جو آپ کی تصدیق کرے اس کیلئے سلامتی ہے' اور جو آپ کا دامن مضبوطی سے تھام لے' وہ ہدایت پا گیا۔

جو آپ کا اتباع کرے' اس کی آرام گاہ جنت ہے اور جو آپ کی مخالفت کرے۔ اس کا ٹھکانہ جہنم ہے' جو آپ کا انکار کرے' وہ بے دین ہے' جس نے آپ سے جنگ کی' وہ (کافر و) مشرک ہے' اور جو آپ کے فرمان کو ٹھکرائے' وہ جہنم کے

نچلے گڑھوں میں گرے گا۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ ماضی میں بھی آپ کا مرتبہ سب سے بلند رہا ہے، اور آنے والے دور میں بھی (آپ کی عظمت) کا پرچم لہراتا رہے گا، آپ کی ارواح، آپ کا نور، آپ کی طینت سب سے منفرد و یکتا ہے اور مکمل طور سے طیب و طاہر ہے۔
خداوند عالم نے آپ حضرات کو نور کی شکل میں پیدا کیا۔ اور عرش کی بلندیوں پر آپ کو جگہ دی، پھر اُس نے ہم پر یہ احسان کیا کہ آپ حضرات کو ہماری ہدایت و رہنمائی کے لئے زمین پر بھیجا تو ایسے گھروں میں رکھا، جن کو اُس نے یہ خصوصی اجازت دی تھی کہ انھیں بلند رکھا جائے اور اُن میں اس کے نام کو (مسلسل) یاد کیا جاتا رہے!
اور ہم لوگ جو آپ حضرات پر دُرود بھیجتے ہیں، اور آپ کی مخصوص ولایت، جو پروردگار عالم نے ہمارے دلوں میں رکھی ہے یہ ہماری خلقت کو طیب اور ہمارے دلوں کو طاہر بنانے

نہ ہمارے تزکیۂ نفس کے لئے، اور ہمارے گناہوں کے کفارے کے لئے ہے۔

یہ آپ حضرات کا فضل و شرف ہے کہ ہم ہمیشہ پروردگار مسلمان قرار پائے، اور جب آپ حضرات کی ولایت کی، ہم نے تصدیق کی تو اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں پہچانے گئے۔

خداوندِ عالم نے آپ حضرات کو ایسی بلند منزلِ کرامت پر فائز کیا ہے، مقربین میں وہ اعلیٰ مرتبہ آپ کو عطا کیا ہے، اور اپنے نمائندوں کے افضل ترین درجات میں آپ حضرات کو وہ رفعت عطا کی ہے کہ نہ کوئی اور اس منزل تک پہنچ سکتا ہے، نہ فوقیت لے جانے والے اس سے فوقیت لے جا سکتے ہیں، نہ سبقت کرنے والے اس سے آگے بڑھ سکتے ہیں اور نہ کسی اور کے لئے یہ توقع ہے کہ وہ اس مرتبے تک پہنچ سکے گا۔

یہی وجہ ہے کہ کوئی مقرب بارگاہ فرشتہ، کوئی نبی مرسل، کوئی صدیق و شہید، کوئی عالم و جاہل، کوئی معمولی شخص یا صاحب فضل انسان، کوئی مومنِ صالح، یا کوئی فاجرِ طالح، کوئی سرکش جابر

کوئی شیطانِ مردود' اور نہ کائنات میں کوئی ایسا گواہ ہے جسے خداوندِ عالم کی طرف سے یہ نہ بتا دیا جائے کہ آپ حضرات کس قدر جلیل القدر ہیں' آپ کا مرتبہ کتنا بلند ہے۔ آپ کی شان کتنی اعلیٰ آپ کا نور کس قدر کامل ہے' آپ کی منزلت کتنی سچی اور شائستہ ہے' پیشِ پروردگار آپ کا رتبہ کتنا افضل ہے' آپ اُس کے نزدیک کس قدر مکرّم و محترم ہیں' اور اس کی بارگاہ میں آپ کو کتنی قربت حاصل ہے۔

آپ حضرات پر میری جان' میرا مال' میرا کنبہ' میرا خاندان قربان ہو۔

میں خدا کو' اور آپ حضرات کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں آپ پر بھی ایمان رکھتا ہوں' اور ان تمام چیزوں پر بھی' جن پر آپ کا ایمان ہے ـــ

میں آپ کے دشمن کو کافر سمجھتا ہوں' اور جس چیز کو آپ کفر قرار دیں اُسے بھی ـــ آپ کی جو شان و منزلت ہے' اس کا بھی یقین رکھتا ہوں' اور آپ کے مخالفین کے گمراہ ہونے کا بھی'

میں آپ سے بھی محبت رکھتا ہوں، اور آپ کے تمام چاہنے والوں سے بھی، اور آپ کے دشمنوں سے بغض بھی رکھتا ہوں۔ اور عداوت بھی۔

ہر وہ شخص، جس سے آپ صلح کریں، اس سے میری صلح ہے اور جو بھی آپ سے جنگ کرے، اُس سے میری جنگ ہے، جس بات کو آپ حق قرار دیں، وہ میرے نزدیک حق ہے، اور جس بات کو آپ باطل کہیں، اُسے میں بھی باطل سمجھتا ہوں۔

میں (ہر حال میں) آپ کی اطاعت کرنے والا ہوں، آپ کے حق کا اعتراف کرتا ہوں، آپ کے فضل و شرف کا اقرار کرتا ہوں، آپ کے علم (و مرتبہ) سے آگاہ ہوں، آپ کے منصب کا قدر دان و معترف، آپ کی تشریف آوری پر ایمان رکھنے والا، رجعت پر یقین رکھنے والا، آپ کے حکم کا منتظر، آپ کی حکومت کا متمنی، آپ کے فرمان کو اپنانے والا، آپ کے ارشاد کے مطابق عمل کرنے والا، آپ کی بارگاہ میں پناہ لینے والا، آپ کی زیارت کا مشتاق، آپ سے وابستہ رہنے والا، آپ سے منسلک رہنے والا، خدا کی بارگاہ میں آپ کی شفاعت کا طلبگار، آپ کے وسیلہ

سے تقربِ الٰہی کا آرزومند، اپنی امنگوں، حاجتوں اور ارادوں کی تکمیل کے لئے ہر حال اور ہر معاملہ میں آپ کو مقدم سمجھنے والا، آپ کے ظاہر و باطن، حاضر و غائب اور اوّل و آخر پر ایمان رکھنے والا، تمام معاملات کو آپ کے سپرد کرنے والا، اور آپ کے ہر فیصلے کو تسلیم کرنے والا ہوں۔

(میرے مولا!) ــ میرا دل آپ کے ارشاد کا تابع ہے، میری رائے آپ کے زیرِ فرمان ہے (آپ جب بھی حکم فرمائیں، میں) آپ کی آواز پر لبیک کہنے کے لئے آمادہ ہوں ــ یہاں تک کہ خداوندِ عالم آپ حضرات کے ذریعے سے اپنے دین کو حیاتِ نو عطا کرے، اُن ایام میں آپ کو واپس لائے، اپنے عدل کو آپ کے ذریعے سے ظاہر کرے، اور اپنی زمین پر آپ کو تمکُّن و اقتدار عطا فرمائے۔

(میرے آقا!) میں ہمیشہ آپ ہی کے ساتھ رہوں گا، (کبھی) آپ کے غیر کا ساتھ نہیں دے سکتا، میں آپ پر ایمان لایا ہوں، اور آپ میں سے آخری (امام) سے ویسی محبت رکھتا ہوں

اور خدا کی بارگاہ میں آپ کے جیسے پہلے (امامؑ) سے رکھتا ہوں ___ تمام دشمنوں سے برائت کا اظہار کرتا ہوں، اور اصنام و طاغوت و شیاطین، اور اُن کے ہم مسلک ظالمین جنھوں نے آپ کے حق کا انکار کیا، آپ کی ولایت سے انحراف کیا، آپ کی میراث پر غاصبانہ قبضہ کیا، آپ کے (مرتبہ و منصب میں) شک کیا، اور آپ سے رُوگردانی کی ___ اسی طرح جو بھی آپ کو چھوڑ کر دوسروں سے جا ملا، یا آپ کے علاوہ دوسروں کو مرکزِ اطاعت قرار دیا ___ میں اُن سب سے بری الذمہ ہوں، اور ان باطل پیشواؤں سے بھی جو (درحقیقت) عذابِ جہیم کی طرف بلانے والے تھے۔

(میری دُعا ہے کہ) میں جب تک زندہ رہوں، خداوندِ عالم مجھے آپ حضرات کی الفت و محبت میں ثابت قدم رکھے، آپ کے دین و مذہب پر گامزن رکھے۔ آپ کی اطاعت کرتے رہنے کی توفیق عطا کرے، آپ کی شفاعت مجھے نصیب کرے، مجھے آپ کے اچھے چاہنے والوں میں سے قرار دے اور جن باتوں کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں اُن کی پیروی کرنے کی (مسلسل) توفیق

مرحمت فرمائے (آمین)

خداوندِ عالم (مجھے یہ توفیق دے کر) میں آپ کے نقشِ قدم پر چلتا رہوں، آپکے راستے پر گامزن رہوں، آپ کی ہدایت و رہنمائی کو اپناؤں، آپ ہی کے ساتھ محشور ہوں، رجعت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں، آپ کے عہدِ اقتدار میں صاحبِ اقتدار قرار پاؤں، سلامتی میں شرف پاؤں، آپ کی حکومت میں سرفراز کیا جاؤں، اور آپ کے چہرہ انور کی زیارت سے خنکیٔ چشم حاصل کروں۔

(اے اہلبیتِ پیغمبرؐ!) آپ پر میری جان و مال، ماں باپ، اور اہلِ خاندان قربان ہوں۔ جو شخص بھی خدا تک پہونچنا چاہتا ہے وہ آپ ہی سے آغاز کرے گا، اور جو بھی اُسکی توحید کا عقیدہ رکھتا ہے اُس کا (عقیدہ) آپ ہی کے ذریعے سے قابلِ قبول ہوگا، اور جو بھی خدا کا ارادہ کرے، وہ آپ کی طرف توجہ کرے گا (کیونکہ آپکے بغیر خدا تک رسائی ہوتی ہی نہیں)

(اے میرے آقا و مولا!) ـــ میں آپ حضرات کے فضائل کو شمار نہیں کر سکتا، نہ آپ کی اصل اور حقیقی تعریف تک پہونچ سکتا ہوں، اور نہ آپ کی جلالتِ قدر کی توصیف کر سکتا ہوں۔ کیونکہ آپ ہی نُورالاخیار، ہُداۃ الابرار ـــ اور حجتِ پروردگار ہیں۔ آپ ہی حضرات کے ذریعے سے خداوندِ عالم نے (اس کائنات) کا آغاز کیا ہے، اور آپ ہی پر اختتام کرے گا، آپ ہی کی وجہ سے بارش نازل ہوتی ہے، آپ ہی کی برکت سے زمین و آسمان اپنی جگہ برقرار ہیں، آپ ہی کے وسیلے سے (خداوندِ عالم) ـــ لوگوں کے رنج و غم دور کرتا ہے، اور ان کی پریشانیاں ختم کرتا ہے۔

فرشتے، آسمانوں سے جو کچھ (امانتیں) لاتے رہے، سب کچھ آپ کے پاس محفوظ ہے، اور آپ کے جَدّ[1] حضرت محمد مصطفےٰ کی بارگاہ میں جبرئیلِ امین نے باریابی کا شرف حاصل کیا۔

[1] اگر امیرالمومنین حضرت علیؑ ابن ابی طالب کی زیارت پڑھ رہے ہوں تو "جَدّ" کے بجائے آپ کے "برادر" پڑھیں۔

پروردگارِ عالم نے آپ حضرات کو جو (عظمت و جلالت) عطا فرمائی ہے وہ کائنات میں کسی اور انسان کو نصیب نہیں ہوئی، ہر صاحبِ شرف آپ کے فضل و شرف کے سامنے سرنگوں ہے، ہر صاحبِ کبر و نخوت آپ کی اطاعت کے مقابلے میں بے بس ہے، ہر جابر و سرکش آپ کی فضیلت کے آگے لاچار ہر شئے آپ کے سامنے عاجزی و انکساری کے عالم میں ہے زمین آپ کے نُور سے جگمگا رہی ہے، آپ کی ولایت کے ذریعے سے لوگ فائز المرام ہوں گے، آپ ہی کے وسیلہ سے جنّتِ رضوان تک پہونچیں گے۔ اور آپ کی ولایت کے دشمن غضبِ خداوندی کا شکار ہوں گے۔

❁

(اے اہلبیتِ پیغمبرؐ!) آپ پر میری جان و مال، ماں باپ اور اہلِ خاندان قربان ہوں ـــ ذکرِ (خدا) کرنے والوں کے درمیان آپ کا ذکر، اسماء کے درمیان ـــــ آپ کے اسمائے گرامی جسموں کے درمیان ـــــــ

آپ کے اجسام، رُوحوں کے درمیان آپ کی ارواح، نفسوں کے درمیان آپ کے نفوس ـــ آثار و نشانیوں کے درمیان آپ کے آثار اور نشانیاں، اور قبروں کے درمیان آپ کے روضے اور قبریں ـــ (ہر چیز میں آپ کی عظمت و جلالت کے ایسے چراغ روشن ہیں، جنھیں مخالفین کی تیز و تند آندھیاں نہ بجھا سکی ہیں، اور نہ کبھی بجھا سکیں گی ـــــ آئے دُنیا، اور غور کرے کہ) کس قدر عمدہ اور شیریں آپ کے نام ہیں، کس قدر بلند آپ کے نفوس ہیں، کس قدر عظیم آپ کی شان ہے، کس قدر جلالتِ قدر کے آپ مالک ہیں، آپ کے عہد و پیمان میں وفا کتنی زیادہ ہے، آپ کے وعدے کس قدر کمالِ صداقت کے معیار پر ہیں۔

(حقیقت یہ ہے کہ) آپ کا کلام نُور ہے، آپ کا فرمان رشد و ہدایت ہے، آپ کی وصیت تقویٰ و پرہیزگاری ہے، آپ کا ہر عمل، خیر ہے، آپ کی عادت احسان ہے، آپ کی خصلت فضل و کرم ہے، آپ کی شان، حق، صدق اور نرمی ہے،

آپ کا ارشاد حکم بھی ہے اور حتمی فیصلہ بھی، اور آپ کی رائے:
علم حلم اور دانشمندی (کی معراج) ہے ـــــ جب بھی نیکی کا
تذکرہ ہوگا، آپ ہی اُس کی ابتداء اصل اور فرع، معدن و مرکز،
ملجیٰ و ماویٰ اور منتہاء (مقصود) قرار پائیں گے۔
ہماری جان ـــ اور ہمارے ماں باپ کی جانیں ـ
آپ پر قربان !! ـــــ کیسے ممکن ہے کہ میں آپ کی کامل
مدح و شمار کر سکوں، یا آپ کے احسانات کو شمار کر سکوں
جبکہ آپ ہی کے ذریعے سے پروردگارِ عالم نے ہم (بنی نوعِ انسان)
کو ذلت و خواری سے نکال کر (عزت بخشی) گوناگوں پریشانیوں
سے نجات عطا کی، اور (دُنیا کے لوگ) جو ہلاکت اور دائمی
عذاب کے بالکل دہانے پر پہونچ چکے تھے، انھیں بچالیا۔
ہماری جانیں، اور ہمارے ماں باپ کی جانیں،
آپ پر قربان !!
(اے اہلِ بیت پیغمبرؐ) آپ ہی کی ولایت کے
ذریعے سے خداوندِ عالم نے ہمیں دین کے واضح نشانات

سمجھائے، اور ہم (بنی نوعِ انسان) کی دنیا جو فاسد ہو چکی تھی اسکی

اصلاح فرمائی۔

آپ ہی کی ولایت سے کلمہ مکمّل ہوا۔ نعت کمال کو پہنچی

اور قوم کی شیرازہ بندی ہوئی (نیز) آپ ہی کی ولایت کے ذریعے

سے واجب اطاعتیں (قابلِ) قبول ہونگی۔

آپ کی مودّت و محبّت واجب ہے: آپ حضرات،

کو اللہ کے نزدیک نہایت بلند درجات حاصل ہیں، آپ

مقامِ محمود پر فائز ہیں، خدا کے نزدیک آپ کا مرتبہ معیّن ہے،

آپ کی منزلت بہت جلیل اور شان بہت عظیم ہے ـــــ

اور آپ کی شفاعت پیشِ پروردگار مقبول ہے۔

اے ہمارے پروردگار۔ جو کچھ تو نے نازل کیا ہے،

ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور رسول (اکرمؐ) کی ہے تو ہمیں

گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔

اے ہمارے پروردگار۔ جب تو نے ہماری ہدایت

فرمادی ہے تو اب ہمارے دلوں کو کج (نہ ہونے) دینا

اور ہمیں اپنی بارگاہ سے رحمت عطا فرمانا۔ بے شک تو ہی خوب عطا کرنے والا ہے۔

پاک ہے ہمارا پروردگار' بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ پورا ہو کر رہنے والا ہے۔

اے ولیِ خدا۔ میرے اور خداوندِ عالم کے درمیان بہت سے گناہ ہیں' کہ آپ کی رضا (ئے شفاعت) ہی اسے بخشوا سکتی ہے۔ تو آپ کو اُس ذاتِ حق کا واسطہ' جس نے اپنے راز کا آپ کو امانتدار قرار دیا' اور اپنی مخلوقات کے معاملات کا سرپرست قرار دیا' اور آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے قرار دیا کہ میرے گناہوں کے سلسلے میں میری شفاعت کیجئے... کیونکہ میں آپ کا فرماں بردار ہوں۔

جس نے آپ کی اطاعت کی اُس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی اور جس نے آپ کی نافرمانی کی' اس نے درحقیقت اللہ کی نافرمانی کی' جس نے آپ محبت کی' اس نے اللہ سے محبت اور جس نے آپ سے عداوت کی' اس نے اللہ سے عداوت کی۔

خداوند اگر مجھے کوئی ایسی سفارش کرنے والے ملتے جو حضرت محمدؐ اور اُن کے نیک اہلبیتؑ اور ائمہ طاہرینؑ سے زیادہ تیری بارگاہ میں قریب ہوتے تو میں ان کو سفارشی بناتا (مگر ایسا کوئی ہے ہی نہیں)

تو تجھے اُن کے اس حق کا واسطہ جو تو نے ان کے لئے اپنے اوپر لازمی قرار دیا ہے۔ میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے اُن لوگوں میں سے قرار دے جو اُن کی معرفت سے سرشار ہوں، اور جن کو اُن کی شفاعت کی بناء پر (تیری) رحمت شامل حال ہو۔ بیشک تُو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

اور دُرود بھیج حضرت محمدؐ اور ان کی پاک و پاکیزہ آلؑ پر، اور بہت زیادہ سلام بھیج اُن پر اور ہمارے لئے اللہ ہی کافی ہے جو بہترین کارساز ہے)

التماس سورۂ فاتحہ

برائے ایصالِ ثواب

ہماری پیاری

باجی

سیدہ شمیم زہرا نقوی

بنتِ سید نوازش علی نقوی مرحوم

دعا فرمایئے کہ

پروردگارِ عالم چہاردہ معصومینؑ کے صدقے میں

مرحومہ کے درجات بلند فرمائے

اور انکو جوارِ آئمہ معصومینؑ میں جگہ عطا فرمائے

اور ان کی تمام لغزشوں اور کوتاہیوں کو درگزر فرمائے۔

سوگواران:

سید جاوید رضا نقوی و برادران و اہلِ خانہ

یہ کتاب

الامام الھادیؑ

سوانح حیات حضرت امام علی نقی علیہ السلام

ہم اپنے پیارے

والدین

سید نوازش علی نقوی

ابنِ

سید حسین احمد نقوی (مرحوم)

سیدہ حسن بانو (چاندی)

بنتِ

سید اختر حسین زاہدی (مرحوم)

کی پندرھویں برسی کے موقع پر محمدؐ وآلِ محمدؐ کی خدمت میں بطورِ ہدیہ پیش کر رہے ہیں پروردگارِ عالم محمدؐ وآلِ محمدؐ وشہدائے کربلاؑ کے صدقے میں یہ ہدیہ قبول فرما اور اس کی بدولت ہمارے مرحوم والدین کی مغفرت فرما اور انہیں اپنی رحمت کے سائے میں جوارِ معصومینؑ میں جگہ عطا فرما اور ان کے ذمہ رہ جانے والے حقوق کو درگذر فرما اور ان کے درجات میں بلندی فرما۔ آمین

مومنین و مومنات سے ایک سورۂ فاتحہ کی استدعا ھے۔

سوگواران

سید جاوید رضا نقوی و برادران واہلِ خانہ